ششش ماہی
جہانِ نظام
جلد-۱/ شمارہ-۱
مدیر
شہروز احمد نظامی

کتبہ: مولانا قمرالدین نورانی معروف بہ مرتجز مولوی

جنوری تا جون-۲۰۲۵ء	جلد-۱/شمارہ-۱	شش ماہی

مدیر

شہروز احمد نظامی

نام مجلّہ : جہان نظام (شش ماہی|جلد-۱/شمارہ-۱/جنوری تا جون ۲۰۲۵ء)

سرپرست : حضرت باباجی محمد رفیق چشتی مدظلہ (سجادہ نشین خانقاہ حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری)

مدیر : شہروزاحمد نظامی

نائب مدیر : زین العابدین نظامی

معاونین : فاران الرحمان نظامی/اسامہ بن صالح

سال اشاعت : جنوری ۲۰۲۵ء

صفحات : ۱۵۸

سرورق : شین الف نون

قیمت : ۱۰۰۰ (سالانہ ۲۰۰۰ روپے)

ناشر : کتب خانہ ابن رفیق-خانقاہ حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری-۳۱۸-ج ب/تحصیل وضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

مَجلسِ اِدارَت

شرائط

۱-مجلہ کے لیے مضمون اشاعت سے تین ماہ قبل دینا لازمی ہے۔

۲-مضمون مجلے میں مجلس ادارت کی حتمی منظور کے بعد شامل کیا جائے گا۔

۳-مقالا نگار ایم ایس ورڈ میں مقالا کمپوز کرنے کا پابند ہوگا۔

٤-مقالا اگر تحقیقی نوعیت کا ہے زیادہ سے زیادہ پندرہ صفحات کا قابل قبول ہوگا۔

٥-اگر مقالا معلوماتی نوعیت کا ہے، تو زیادہ سے زیادہ آٹھ صفحات کا قابل قبول ہوگا۔

٦-مقالا کا فونٹ ۱۳ اور سائز بی-٥ رکھنا ہوگا۔

۷-ادارہ مقالا نگار کو مجلہ کی کاپی فراہم کرنے کا پابند نہیں ہے۔

۸-اردو املا اور کتابت کی اغلاط سے پاک مقالات کو ترجیح دی جائے گی۔

۹-بالخصوص سلسلہ چشتیہ نظامیہ، ردِّ الحاد اور بالعموم تاریخ، ادبیات پر مقالات کو ترجیح دی جائے گی۔

۱۰-مجلہ پاکستان پوسٹ سے ہی بھجوایا جائے گا۔

فہرست

جہان نظام

گزشتہ دو سال سے اس بات پر غور کیا جارہا تھا کہ خانقاہ کی طرف سے کوئی مجلہ نکالا جائے۔ مجلہ کیسا ہو؟ اس کا تحقیقی و عرفانی معیار کیا ہو، ان سب پر غور و فکر کرنے کے بعد اس مجلہ کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس سفر میں ہم نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ ایک طرف یہ مشورہ کے "جتنے میں ایک مجلہ شایع ہوگا، اتنے میں نئی کتاب نکال لو" ایسی باتیں بھی قابل غور تھی۔ مگر آخر میں وہ ہی ہوا جس پر حضرت دل نے فتوا دیا۔ یہاں سب سے کڑا امتحان تھا کہ مضامین کیسے یک جا کیے جائیں۔ معیاری مضامین ہونا بھی مجلہ کے لیے ضروری ہیں۔

مجلہ ہی کیوں نکالا جائے؟ اس کا جواب ہے کہ میرے دادا مرشد حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری (۱۸۸۶-۱۹۹۵ء) نے ۱۹۵۱ء میں خانقاہ شریف سے ایک ماہ نامہ کا اجرا کیا تھا۔ ماہ نامہ کا نام تو تاحال معلوم نہیں ہوسکا، مگر اتنا معلوم ہے کہ ماہ نامہ چند ماہ ہی نکلا اس کے بعد بند کردیا گیا۔ یارانِ طریقت یہ وجہ بیان کرتے ہیں پنجاب میں ہونے والے فسادات کی وجہ سے اس ماہ نامہ پر روک لگائی گئی تھی۔ اس کا میرے پاس کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے جو پیش کرسکوں۔ اس ماہ نامہ کی یاد میں اس مجلہ "جہان نظام" کا اجرا کیا گیا ہے۔ اس بار املا میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی، مگر آیندہ تمام مقالات کی املا میں بہ فضل الہ یکسانیت دیکھنے کو ملے گی، امید کرتا ہوں ہمارا یہ اقدام نویسندگان کے لیے باعث مسرت ہوگا۔

ناچیز نویسندگان و معاونین کا ممنون ہے، اللہ پاک کی تائید و نصرت کے بعد اگر احباب کا ساتھ نہ ہوتا تو یہ خواب کبھی پورا نہ ہوپاتا۔ دعا گو ہوں اللہ پاک اس کام کو ہمارے لیے خیر و برکت کا سبب بنائے۔

یکے از غلامان حضرت سلطان المشایخ

شہروز احمد نظامی

۱۸ نومبر ۲۰۲۵ء

تصوف اور جدید انسان

محمد دین جوہر

انسان تین چیزوں کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے : شعور، نفس اور ارادہ۔ ایمان اور عمل صالح کے دینی مطالبات بالترتیب شعور اور عمل سے ہیں۔ نفس احوال اور کیفیات کے مجموعے کا نام ہے۔ احوال مستقل ہوتے ہیں، کیفیات کو جنم دیتے ہیں اور انسانی طبیعت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ اخلاقی اقدار نفس سے براہ راست متعلق ہوتی ہیں۔ شعور، نفس اور ارادہ تاریخی مؤثرات سے لازماً متاثر ہوتے ہیں۔ تاریخی مؤثرات انسان کو ان تینوں جہتوں سے ڈھالنے کی مکمل استعداد رکھتے ہیں اور نتیجتاً ان کی ہیئت بدل کر حالات کے تابع اور مطابق ہو جاتی ہے۔ ہم عصر علم، ریاست اور سرمائے کے قائم شدہ سسٹم کا فرد پر دباؤ اور اس کی داخلیت پر گہرا اثر، اور ثقافتی مؤثرات انسان کو ایک بالکل نئی ہیئت دے دیتے ہیں۔ جدیدیت کی پیدا کردہ دنیا ایسے طاقتور اور ہر لحہ فعال مؤثرات سے لیس ہے جو انسان کو اپنے مطالبات پر ڈھالنے کی پوری استعداد رکھتے ہیں۔ مذہبی معنی میں اس سے مراد ہے کہ جدیدیت آدمی کو اپنا مکمل بندہ بنانے کی غیر معمولی قوت رکھتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا صرف تاریخی مؤثرات ہی انسان کی داخلیت کو فیصلہ کن طریقے سے بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا تشکیلِ داخلیت کے کوئی متبادل ذرائع بھی ہیں؟ آزاد اور مکلف ہونے کی حیثیت سے انسان اس بات کا مکمل اختیار رکھتا ہے کہ وہ اپنے شعور، نفس اور ارادے کی تشکیل اقدارِ حق کی بنیاد پر کرے، یعنی اپنی خودی کی تشکیل ماورائے تاریخ سے حاصل ہونے والی ہدایتی اقدار کی بنیاد پر اپنی آزاد مرضی سے سامنے لائے، اور ارادے سے حاصل ہونے والی ایجنسی کو معاشرے اور تاریخ کے ساتھ اپنے انفس میں بھی مؤثر کر دے۔ تاریخی مؤثرات کا کھلونا بننے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کی طرح اپنے غیر جسمی پہلوؤں میں بھی دنیا کی مرادات پر ڈھل کر مٹی ہی رہے۔ اسلامی تہذیب

نے شعور، نفس اور ارادے کو اقدار حق کے تحت میں رکھنے کے لیے کلام، تصوف اور فقہ کے عظیم الشان علوم پیدا کیے۔

فی الوقت ہمارا موضوع تصوف اور جدید انسان ہے۔ اس میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کیا روایتی تصوف کے بہم شدہ وسائل جدید انسان کے لیے بھی پذیرا ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ جدید انسان ایک ایسی دنیا میں رہتا ہے جس کی سماجی، ثقافتی اور علمی فضا جدیدیت نے مکمل طور پر بدل دی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ علم اور ثقافت دونوں مطلقاً مادی ہو گئے ہیں اور تنزیہ علم سے اور کلچر سے مکمل طور بے دخل ہو چکی ہے۔ بعینہٖ جدیدیت کے پیدا کردہ تاریخی مؤثرات نے عملاً نفس انسانی کی ساخت کو بھی تبدیل کر دیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ روایتی تصوف سلوک اور عرفان کی جہت سے غیر اہم ہو گیا ہے بل کہ یہ کہ جدید انسان کے نفسی احوال میں ساخت کی ریڈیکل تبدیلیوں کی وجہ سے غیر متعلق ہو گیا ہے۔ اس میں اہم یہ ہے کہ اگر علم، تعلیم، کلچر اور ریاست و معیشت مکمل طور پر مادی ہو جائیں تو فرد کی داخلیت سے بھی اخلاقی اور روحانی عناصر بتدریج غائب ہو جاتے ہیں۔

جدید انسان ذہنی اور نفسی جہت سے دو بہت ہی گہری تبدیلیوں سے دوچار ہوا ہے اور روایتی تصوف ان ساختی تبدیلیوں کا کوئی ادراک نہ رکھنے کی وجہ سے غیر مؤثر ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم نفس انسانی کو "پانی" فرض کر لیں تو روایتی تصوف رذائل و فضائل کے تناظر میں اس پانی کو عبادات و مجاہدات کے ذریعے سے ٹھنڈا یا گرم کرنے کے اشغال کو بروئے کار لاتا تھا۔ جب کہ جدید انسان کا نفس پانی کی طرح نہیں رہا بل کہ "برف" کے بلاک کی طرح بن گیا ہے جہاں تصوف کی پرانی ہر تکنیک ناکام ہو گئی ہے۔ جدید انسان کے روحانی سرد خانے میں پڑا نفس کا یہ برفانی تودہ پگھلتا بھی نہیں ہے، حوادث ذاتی کی ضرب سے بس ٹوٹ جاتا ہے اور جسے ہم ڈپریشن کا تجربہ کہتے ہیں۔

ابھی میں نے جدید انسان کی داخلیت میں واقع ہونے والی دو ریڈیکل تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے؛ ان میں سے ایک رنجوری (Melancholy) ہے اور دوسری بیگانگیت (Alienation) ہے۔ یہ تبدیلیاں نفسِ انسانی کی اخلاقی تصریفات سے زیادہ گہری اور وجودی ہیں۔ تصوف جب تک ان دو تبدیلیوں کا کوئی تجربی علم فراہم کر کے ان کا حل تجویز نہیں کرتا، اپنے روایتی اشغال کو متعلق اور بامعنی نہیں بنا سکتا۔ روایتی کلام میں دنیا کو مجردات اور مادیات کا مجموعہ قرار دیا جاتا تھا۔ جدیدیت کی پیدا کردہ مجردات ازحد کثیر ہیں اور تعلیم، علم، کلچر اور ٹیکنالوجی کے ذریعے انسانی ذہن اور نامیاتی عمل پر براہ راست اثرانداز ہوتی ہیں۔ مجرداتِ جدیدیت کا آغاز نشاۃ الثانیہ میں ظاہر ہونے والے علم سے ہوا، اور مادیات کی میکانیات میں تبدیلی کا آغاز تحریک تنویر سے ہوا۔ اول الذکر کا نتیجہ رنجوری (Melancholy) کی صورت میں نکلا اور مؤخرالذکر حالات بیگانگیت (Alienation) کی صورت میں سامنے آئے، اور یہ دونوں احوال استعمار کی پیش رفت کے ساتھ عالم گیر ہوتی چلی گئی ہیں۔ رنجوری اور بیگانگیت کے سامنے روایتی تصوف کا چراغ گل ہو گیا، کیوں کہ ان دونوں تبدیلیوں نے انسان کو وجودی سطح پر تبدیل کر دیا ہے جب کہ تصوف کا بنیادی فریضہ اخلاقی تصریفات تک محدود ہے۔ رنجوری اور بیگانگی پر وجودی تشکیل کی وجہ سے جدید انسان اپنے انفس میں تحول عظیم سے گزرا ہے۔ اس کا براہ راست نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ نفسی سطح پر اقدار سے متعلق ہونے کی استعداد کھو بیٹھا ہے کیوں کہ معاشرے اور تاریخ میں موجود میکانکی مؤثرات نفس انسانی اور اخلاقی اقدار کے بیچ ایک بہت فعال اور مضبوط روک کے طور پر قائم ہو چکے ہیں جن پر غالب آنا اولاً ضروری ہے۔

رنجوری ایک خاص ذہنی حالت ہے جو مغرب میں نشاۃ الثانیہ کے بعد سامنے آئی جب یونانی علوم نئے سیکولر چولے میں ظاہر ہونا شروع ہوئے، اور استعمار کے ساتھ یہ علوم بتدریج عالم گیر ہوتے چلے گئے۔ نئے علوم نے مذہبی ذہن میں عقیدے کی یکتائی اور یکسوئی میں خلل ڈال دیا اور وہ بتدریج رنجوری کے احوال پر قائم ہو گیا۔ آگے چل کر جب تحریک

تنویر کا پراجیکٹ سامنے آیا اور سائنسی علوم کی بنیاد پر صنعتی پیداواری عمل کا آغاز ہوا تو دیگر وسائل کی طرح انسان بھی اس میں ایک resource کے طور پر متضمن ہوگیا۔ صنعتی پیداواری عمل نے انسان میں بیگانگیت پیدا کر کے ایسی فراموشگاری کو جنم دیا جہاں عرفانِ ذات کی جگہ کتمانِ ذات نے لے لی اور اس کے انفس میں وہ ملکات جو اقدار سے متعلق ہوسکتے تھے، کھرنڈ بن کر اس کی ذات سے جھڑ گئے۔ تصوف اصلاً becoming ہے، یعنی بار آور عمل سے نردبان وجود پر صعود کرتے چلے جانا یہاں تک کہ بندگی آدمی کا پورا حال بن جائے۔ جدید دنیا میں نامیاتی انسانی عمل کا خاتمہ ہوگیا ہے کیوں کہ وہ ٹیکنالوجی میں متضمن ہو کر میکانکی ہوگیا ہے۔ اخلاقی اور نفسی اقدار نامیاتی انسانی عمل سے جڑ کر انفس میں مؤثر ہوتی تھیں۔ میکانکی انسانی اعمال نے اخلاقی اور نفسی اقدار کو زندہ نہیں رہنے دیا کیوں کہ وہ خود آلاتی ہو گئی ہیں، اور نفس انسانی کو سینچنے اور گوندھنے کا کام نہیں کرتیں۔ اخلاقی اقدار آلاتی ہونے کی وجہ سے وہ مزاج اور مفاد کی تابع مہمل بن کر رہ گئی ہیں، اور تصوف و سلوک کے بنیادی ترین مقاصد کے حصول میں کارگر نہیں رہیں۔ جدید عہد میں مصروفیت کا اصل مطلب یہی ہے کہ نامیاتی عمل انسانی جو اقدار سے جڑ کر تزکیے کا ذریعہ بن سکتا تھا اب میکانکی مؤثرات کے شکنجے میں آ چکا ہے۔ تصوف کے غیر مؤثر ہوجانے کا مطلب ہے اخلاقی اقدار اور مکارم الاخلاق کا غیر مؤثر ہو جانا اور اس صورت حال کا مداوا یہ ہے کہ عقیدے کی طرف دھیان دیا جائے۔ عقیدے کے فرقہ وارانہ ہوجانے میں بظاہر جن امور کا ذکر ہوتا ہے ان پر درست موقف اختیار کرنا ضروری ہے۔ لیکن مسلم عقیدے میں جو بنیادی تبدیلی آئی ہے وہ اس کا تشبیہی ہوجانا ہے۔ جس طرح اخلاقی اقدار مزاج اور مفاد کے تابع ہو کر باقی نہیں رہ سکتیں، بعینہٖ عقیدہ جدید تشبیہی علم کے تابع ہو کر تنزیہی نہیں رہ سکتا۔ گزشتہ دو سو سال میں مسلم عقیدے کی عقل سے ہر ممکنہ نسبت ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے کہ یہ کہنا کہ عقل نے عقیدے میں کوئی خرابی پیدا کر دی ہے درست نہیں۔ کم از کم برصغیر کی حد تک، مذہبی علوم میں عقل کے مطلق خاتمے اور ایک بالکل نئے تعبیری نظام استدلال نے عقیدے کو مکمل تشبیہی بنا دیا ہے، اور

عقل سے عاری اس نئے تعبیری نظام استدلال کے حاملین ہی تصوف کے بڑے ناقد ہیں۔ اگر عقیدہ تشبیہی ہو جائے تو اخلاقی اقدار بھی آلاتی ہو جاتی ہیں۔ تنزیہ کی طرف واپسی سے ہمارا تصوف بھی از سر نو زندہ ہو جائے گا۔

دو مقدمات دربارۂ مخدوم جہانیاں جہاں گشت

قاضی سجاد حسین / عبدالعزیز ساحر

قاضی سجاد حسین (م ۲۴ دسمبر ۱۹۹۰ء، ۵ جمادی الآخر ۱۴۱۱ھ) برصغیر کے بلند پایہ مترجم اور معروف عالمِ دین تھے۔ انھوں نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ فارسی ادبیات کی چند بنیادی کتابوں کے اردو ترجمے بھی کیے۔ ان کا اسلوبِ نگارش اور اندازِ بیاں بہت علمی اور معیاری ہے۔ میں نے ہمیشہ ان کے تراجم سے اخذ و استفادہ کیا اور اس کسبِ فیض کی بدولت انھیں اپنا استادِ معنوی جانتا ہوں۔ ان کی دیگر علمی تحقیقات سے بھی میری دلچسپی تین دہائیوں سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ ان کا اصل میدان ترجمہ نگاری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مخدومِ جہانیاں جہاں گشت کے دو ملفوظاتی مجموعے (سراج الہدایہ اور جامع العلوم) بھی جدید تحقیقی اور تدوینی منہج اور اسلوب کے مطابق مرتب کیے۔ تصحیح متن کے بنیادی قواعد اور اصول ان کے پیشِ نظر رہے۔ احادیثِ مبارکہ کی تخریج میں بھی انھوں بہت کشٹ اُٹھایا اور ان کی درجہ بندی میں بھی۔ ہر دو مجموعہ ہائے ملفوظات میں ان کے حواشی بھی خاصے کی چیز ہیں۔ فرہنگ بھی انھوں نے بہت محنت سے مرتب کی۔ ان مجموعہ ہائے ملفوظات پر انھوں نے دو مقدمات بھی تحریر کیے۔ ان مقدمات میں انھوں نے مخدوم کے سوانحی احوال بھی بیان کیے اور اپنے تحقیقی طریقۂ کار کی وضاحت بھی کی۔

سراج الہدایہ کا متن ۱۹۸۳ء میں طبع ہوا۔ اس کے چار سال بعد جامع العلوم کا متن اشاعت پذیر ہوا۔ مخدوم کے احوال و آثار کے ضمن میں مذکور تمام بنیادی اور ثانوی مآخذ پر ان کی نظر تھی اور انھوں ان منابع سے کماحقہ استفادہ بھی کیا، لیکن حیرت ہے کہ سراج الہدایہ اور جوامع العلوم کے مقدمات میں انھوں نے نہایت ہی واشگاف الفاظ میں سراج الہدایہ کو مخدوم سے منسوب مجموعہ گردانا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں :

(۱) پس از مطالعہ کردنِ مقدمۂ سراج الهدایہ دو اشخاص ظاهرمی شوند، یکی از آنها ''احمد برنی'' است ووی می گوید کہ مخدومِ جهانیاں در ۷۷۲ھ در دهلی وارد شده ووی گوید اگرچہ من از مریدانش نیستم ولکن معتقدِ خانوادۂ رسول الله صلی الله علیہ وسلم می باشم۔ من از حضرت مخدوم درخواست نمودم کہ اجازت داده شود تا ملفوظاتِ آنجناب را گرد آوری نمایم ومن ملفوظاتش را بنام سراج الهدایہ جمع کردم وشخصی دیگر ''احمد معین سیاه پوش علوی'' است واز روی بعض نسخهای سراج الهدایہ ظاہر می شود کہ وی خود را ایرجی یا أچی گفتہ ونوشتہ کہ من مریدِ مخدومِ جهانیاں ہستم ونیز ظاهر می کند

کہ من نبیرۂ شیخ نور الدین مبارک غزنوی بستم وبقولش مخدومِ جهانیاں در ۷۸۷ھ بدهلی آمده (ومحقق اینست کہ مخدومِ جہانیاں در ۷۸۵ھ از دنیا رحلت نموده) ومیگوید کہ قبل ازورودِ مخدوم بدهلی پسروی بنام عبداللہ برای اطلاع تشریف آوری وی بفیروز شاه بدهلی رسیده بود ومن خدمتِ عبداللہ حاضر شده عرض کردم کہ بنده رایک کتابِ معتبراز خاندانِ عالی جناب داده شود تابنظرِ نفعِ عوام من آنرا نقل کنم وآن این کتاب سراج الهدایہ بود ، ازین بیان واضح می شود کہ این دو شخصیت جداگانہ هستند واقوالِ ایشان باہم متضاد اند ودردستِ من از سراج الهدایہ پنج نسخها اند،از مطالعۂ این نسخ ظاهر می شود کہ بعضی از ناقلینِ کتاب سراج الهدایہ ازتالیفِ حضرت مخدوم نوشتہ اندوبعضی ملفوظِ ایشان قرار داده ،لهذا واضح نمی گردد کہ کتاب سراج الهدایہ از قسمِ ملفوظات است یا از تصانیفِ حضرتِ مخدوم۔

(۲) از مطالعہ کردن ملفوظاتِ بزرگان مثلِ فوائد الفواد کہ ملفوظ ِسلطان المشایخ نظام الدین است ومثل مجالس الابرار کہ ملفوظِ شیخ نصیر الدین اودهی است این امر هویدا می شود کہ طریقِ گرد آوری ملفوظاتِ شیوخ این است کہ شخصی در خدمتِ شیخ حاضر می شد وهرچہ آن بزرگ فرمودی آنرامی نوشت خواه آن مسئلہ فقهی بودی یا نکتۂ تفسیری وحدیثی یا قصۂ بزرگانِ پاستانی لکن سراج الهدایہ باین نہج نیست۔

(۳)در کتابهای ملفوظات نہ آمده کہ رسالہ یا کتابی کہ تصنیفِ کسی دیگر باشد در ملفوظاتِ بزرگی کا ملا ومستقلاً نقل کرده شده باشد ودر سراج الهدایہ رسالہ معرفتہ المذاہب کہ آنرا بامام ابوحنیفہ منسوب می کنند، کاملاً منقول است وہمین رسالہ معرفتہ المذاہب است کہ پروفیسر عبدالعلیم آنرا ترتیب داده ودر ۱۹۶۰ء ازعلی گڑھ شائع نموده وبدلائل وبراہین ثابت کرده کہ نسبتِ آن بامام ابو حنیفہ بہیچ وجہ درست نیست وہمچنیں تقریباً بست اوراق از فتوحاتِ مکیہ از ابنِ عربی است دربارۂ احوالِ قیامت بهمان الفاظ ومعانی اصلی اش منقول شده است۔

(٤)جامع العلوم کہ از ملفوظاتِ مخدومِ جہانیاں بشمارمی آیدونسبتِ وی بمخدوم اعتباری دارد وہمچو نواب صدیق حسن خاں عالمِ متبحر نسبتِ آن بمخدومِ صحیح شمرده است، این سراج الهدایہ دربعض بیانہاردِ این خیال می کند ،مثلاً :واقعہ دو دخترِ حبشی کہ نزدِ آنحضرتِ صلی اللہ علیہ وسلم آمد واشعارِ لسعتحیۃ الھوی کبدی بسرودازین واقعہ در سراج الهدایہ بحلیتِ سماعِ سرود استدلال کرده و بہمین واقعہ رادر جامع العلوم ناقابلِ اعتبار قرارداده۔

(۵)دربارۂ مخدومِ جہانیاں علماء فحول مثلِ شیخ عبدالحق محدث دهلوی صاحبِ اخبار الاخیار ونواب صدیق حسن خاں صاحبِ ابجد العلوم و الفرع النامی ومولانا سید عبدالحئی لکھنوی صاحب نزهۃ الخواطر براین متفق اندکہ مخدومِ جہانیاں در علومِ حدیث وفقہ ید طولیٰ و بعلومِ ظاهری وباطنی حظی وا فرداشت ۔کتاب سراج الهدایہ بخلافِ آن می رود ،در مختلف ابواب این گونہ احادیث کہ محدثین بوضعِ آنها متفق اند بکثرت در سراج الهدایہ یافتہ می شود ،خصوصاً: در فضائل فواکہ وبقول چنان احادیث نقل کرده شده کہ عقل باورنمی کند کہ مثل مخدومِ جہانیاں آنهارا فرموده یا نقل کرده باشد۔

در مختلف ابوابِ سراج الهدایہ فضائلِ اسمِ محمد واحمد مذکوراست واکثر روایات در این باب موضوع وضعیف اندوموضوعیتِ این گونہ روایات از رسالہ فضائل من اسمہ احمدومحمدپُرظاہر است کہ تالیف الحافظ ابوعبداللہ حسین بن بکرالبغدادی است ودکتور مختار الدین احمد آنرا ترتیب داده وازمعهد الدراسات الاسلامیہ علی گڑھ آنرا شائع کرده ودرمقدمۂ آن دکتور از تذکرۃ الموضوعات الصغانی نقل کرده کہ در فضیلتِ تسمیہ باسمِ احمد ومحمد روایات یکہ منقول انداصلی ندارند ونزدِ محدثین از قسمِ موضوعات اند۔ وہمچنیں بعضی اقوالِ فقها کہ در سراج الهدایہ منقول است فتاواهای معتبره خلافِ آن نشان می دهند۔

(٦)یک مخطوطۂ دیگر کہ موسوم بہ سیرنامہ است باحمد برنی جامع سراج الهدایہ منسوب است ووی دراین رسالہ ثابت کردہ کہ اثرِ قدمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ برقبرِ شهزادہ فتح اللہ نصب شدہ است، درست وصحیح است وآنرا مخدومِ جهانیاں آوردہ اندو بہ تحقیق ثابت شدہ کہ ایں رسالہ وضعی وجعلی است وصاحب سیرالمنازل مرزا سنگین بیگ نیز دربارۂ قدمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ گفتہ ازاں رسالۂ جعلی گرفتہ۔باین وجوہِ ستہ خیال بندہ اینست کہ نسبتِ سراج الهدایہ بحضرتِ مخدوم صحیح ودرست نیست"۔

(سراج الہدایہ:ص۱۲تا١٤)

"و این کتابِ مؤخر الذکر کہ نامش سراج الهدایہ است ۔ من حسبِ تحقیق در دیباچۂ سراج الهدایہ کہ او را بہ زیورِ تدوین آراستم توضیح نمودہ ام کہ انتسابِ این کتاب بجانبِ مخدومِ جهانیاں جهاں گشت بچندیں وجوہ درست نہ دانم"۔

(جوامع العلوم:ص ۴۳)

اگر سراج الہدایہ منسوب مجموعہ ہے تو اس پر اتنی محنت سے کام کرنے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ ایک منسوب یا وضعی مجموعے کے انتقادی متن کی تیاری تحقیق و تدوین کے میدان میں کسی بھی نوعیت کی اہمیت و افادیت کی حامل نہیں ہو سکتی تو پھر اس تضیع اوقات کی حقیقت معلوم!۔۔۔ قاضی صاحب کو اگر مخدوم ہی کے کسی مجموعۂ ملفوظات پر کام کرنا مقصود تھا تو ان کے دیگر مجموعہ ہائے ملفوظات بھی موجود تھے، جو ہنوز تشنۂ اشاعت ہیں اور ان کا انتساب بھی درست اور مسلم ہے۔ ان مجموعہ ہائے ارشادات کے ہوتے ہوئے ایک منسوب (اور ان کے نزدیک مخدوم کی تعلیمات اور معتقدات کے بر عکس بعض مندرجات کے حامل اس مجموعے)، کو اپنی تحقیقی اور تدوینی جولانگاہ بنانا حیرت زا بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ قاضی صاحب جیسے پائے کے عالم اور محقق کی نگاہ سے یقیناً یہ پوشیدہ نہیں ہو گا کہ برصغیر کے صوفیۂ کرام کے مجموعہ ہائے ملفوظات پر کیا کیا افتاد نہیں پڑی۔ کاتبوں نے کیا کیا گل نہیں کھلائے اور ان مجموعوں میں الحاق اور جعل کے کیا کیا مظاہر رونما نہیں ہوئے، لیکن انھوں نے ایسے امور کو پیشِ نظر رکھ کر ان مخصوص مقامات پر اپنے تحقیقی اور مطالعاتی افادات کی ترقیم کرنے کے بجائے پورے مجموعے ہی کو منسوب قرار دے دیا۔ حالاں کہ لازم تھا کہ وہ مقامات، جو مخدوم کی تعلیمات اور نظریات سے مختلف اور متضاد تھے، ان کی بھرپور انداز میں نشاندہی کی جاتی اور ان مقامات پر حواشی لکھے جاتے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ مقدمے میں ایک دو واقعات کو بنیاد بنا کر پورے مجموعے پر حکم لگایا گیا، جو قرینِ انصاف نہیں۔

اس مجموعۂ ملفوظات کے مقدمے بھی بعض مندرجات محلِ نظر ہیں۔ ان میں سے کچھ تسامحات کی نشاندہی ذیل میں کی جا رہی ہے :

۱-قاضی سجاد حسین نے شیخ جمال الدین خنداں رو کا سنۂ وصال ٦٧٦ھ لکھا ہے۔ حالاں کہ اسی مقدمے میں وہ خود لکھ چکے ہیں کہ مخدوم ۷۰۰ھ کو متولد ہوئے۔ جب مخدوم کی عمر سات سال کی ہوئی تو ان کے والدِ گرامی انھیں شیخ خنداں رو کی مجلس میں لے گئے۔ یہ واقعہ مخدوم کے احوال کے قدیم و جدید تمام مآخذ میں مذکور ہوا ہے۔ اگر یہ واقعہ درست ہے اور یقیناً درست ہے تو پھر شیخ خنداں رو ۷۱۴ھ کے بعد واصل بحق ہوئے ہوں گے۔

۲-قاضی صاحب نے خواجہ نصیر الدین چراغ کے مجموعۂ ملفوظات کا نام مجالس الابرار لکھا ہے، جو درست نہیں۔ یقیناً ان کی مراد خیر المجالس ہوگی، لیکن رواروی میں وہ غلط نام کی ترقیم کر گئے۔

۳-شیخ ابو عبداللہ یافعی نے ۷۵۰ھ کے بعد کسی سال وفات پائی، کیوں کہ ان کی کتاب مرأۃ الجنان میں ۷۵۰ھ تک کے حالات اور سانحات کا ذکر ملتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے مقدمے میں اس کتاب کا بھی ذکرِ خیر کیا اور پھر نواب صدیق حسن خان کی کتاب ابجد العلوم کے حوالے سے ان کے سنۂ وفات ٦٧٥ھ کی بھی ترقیم فرمائی۔ اسی طرح سیر العارفین کے مندرجات کی روشنی میں انھیں شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی کا معاصر بھی لکھا۔ ان متضاد بیانات پر نقد و نظر اور جرح و تعدیل نہیں کی اور اپنے آپ کو محض متخالف اور متضاد بیانات کی ترقیم تک محدود رکھا۔

۴-مقدمے کے آخر میں انھوں اپنے مآخذ کی فہرست دی ہے۔ اس میں انھوں نے شیخ عبداللہ یافعی کی کتاب الفرغ النامی کو شیخ محدث دہلوی کی تصنیف لکھا ہے، حالاں کہ قبلاً مقدمے میں وہ اسے شیخ یافعی کی تصنیف لکھ چکے ہیں، لیکن اپنے منابع کی فہرست مرتب کرتے وقت انھیں تسامح ہوا۔ اسی طرح خلیق احمد نظامی کی کتاب تاریخِ مشائخِ چشت اور اعجاز الحق قدوسی کی کتاب تذکرہ صوفیائے پنجاب کے نام بھی غلط لکھے گئے۔

راقم نے ان دونوں مجموعوں میں شامل ان کے مقدمات کا اردو ترجمہ کیا ہے، جو ہدیہ قارئین ہے۔

۱/مقدمہ بر سراج الہدایہ

نام و لقب :

اکثر سوانح نگاروں نے ان کا نام جلال الدین لکھا ہے، لیکن راقم الحروف کے نزدیک ان کا اسمِ گرامی حسین ہے۔ ایک شاعر نے کہا تھا :

نامِ نامی او حسین بخواں
خلفِ احمدِ کبیر بداں

سراج الہدایہ کے جامع نے بھی انھیں حسین کے نام سے یاد کیا ہے۔ جلال الملۃ والدین ان کا لقب ہے۔ اس کو لوگوں نے مختصراً جلال الدین کر دیا تھا۔ ان کا (ایک اور معروف) لقب مخدومِ جہانیاں (بھی) ہے۔ شیخ فضل اللہ معروف بہ جلال خان جلالی و جمالی (م ۹۴۲) نے اپنی کتاب سیر العارفین میں لکھا ہے : ان کو مخدومِ جہانیاں اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عید کی شب شیخ الاسلام بہاء الملۃ والدین زکریا ملتانی قدس سرہ (م ۶۶۶ھ) کے مقبرۂ مطہرہ میں مشغول تھے۔ انھوں نے شیخ الاسلام سے عیدی طلب کی تو ایک غیبی آواز سنی کہ تجھے حق نے مخدومِ جہانیاں کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ تمھاری عیدی یہی ہے۔ اس کے بعد مخدوم، صدر الملۃ والدین عارف (م ۶۸۴ھ) کے مقبرے میں گئے اور وہاں بھی عیدی کے لیے درخواست کی۔ وہی جواب ملا۔ تمھارا تحفۂ عید وہی ہے، جو میرے بابا نے عطا کیا ہے۔ وہاں سے مخدوم اپنے مرشدِ گرامی شیخ رکن الدین (م ۷۳۵ھ) کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہی درخواست پیش کی اور جوابِ سابق سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے باہر نکلے تو انھیں جو بھی دیکھتا، پکار اُٹھتا کہ : یہ مخدومِ جہانیاں ہیں۔ مولانا جمالی نے کہا ہے :

آمد ز خدا بفتح بابش
مخدومِ جہانیاں خطابش

"مخدوم چونکہ اکنافِ عالم میں بہت سفر پیمار ہے، اس لیے جہاں گشت کا اضافی لقب مخدومِ جہانیاں کے ساتھ پیوست ہو گیا"

ان کے جدِ بزرگوار سید جلال الدین سرخ بخاری (م ۶۹۰ھ) بخارا سے آکر بھکر میں مقیم ہوئے۔ پھر ملتان گئے اور شیخ بہاء الدین زکریا سے بیعت ہو کر خلافت سے شرف یاب ہوئے۔ ان کی بابت سفینۃ الاولیاء میں منقول ہے کہ : وہ علومِ ظاہری اور باطنی کے جلیل القدر عالم تھے۔ بھکر کے زمانۂ قیام میں انھوں نے سید بدرالدین کی صاحبزادی سے شادی کی۔ بعدازاں وہ مستقلاً اُچ شریف میں اقامت پذیر ہوئے۔ سید جلال الدین بخاری کے تین صاحبزادے تھے۔ ان میں سے ایک سید احمد کبیر، مخدوم کے پدرِ بزرگوار تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے امام علی تقی تک پہنچتا ہے۔ شیخ احمد کبیر ابوالفتح رکن الدین کے دست گرفتہ تھے۔

ولادت و خرد سالی :

مخدوم کی ولادت باسعادت شبِ برات ۷۰۷ھ میں ہوئی۔ کسی شاعر نے کہا ہے :

هفت صد و هفت هجری بود
کاں مهرِ برجِ دیں طلوع نمود

ان ایام میں جب ان کی عمر سات سال کی تھی۔ ان کے والد انھیں شیخ جمال خنداں رُو (؟ م ۶۷۶ھ) کی خدمت میں لے گئے۔ مخدوم ان کی دست بوسی سے مشرف ہوئے۔ شیخ جمال الدین کے سامنے کھجوروں کا ایک طشت پڑا تھا اور وہ اس سے ہر ایک کو کچھ عطا فرما رہے تھے۔ مخدوم کو بھی ان کا حصہ ملا۔ وہ کھجوروں کو گٹھلیوں سمیت کھا گئے۔ شیخ جمال الدین نے یہ دیکھ کر فرمایا : تو نے کھجوروں کو گٹھلیوں سمیت کیوں کھایا؟ مخدوم نے جواب دیا : وہ کھجوریں، جو آپ کے دستِ مبارک سے عطا ہوئیں، ان کی گٹھلیوں کو زمین پر نہیں پھینکنا چاہیے۔ شیخ نے یہ جواب سن کر ان کے والد کو مخاطب کیا : بابا! آپ اس بچے کے باپ ہیں، جو اپنے خانوادے کا نام روشن کرے گا۔

تعلیم و تربیت :

مخدوم نے بچپن میں اپنے چچا سید محمد بخاری کی زیرِ نگرانی تربیت پائی۔ بعدازاں انھوں نے اُچ متبرکہ میں قاضی بہاء الدین سے ہدایہ اور اصولِ بزودی تک کتابوں کا علم حاصل کیا۔ ان کی وفات کے بعد وہ ملتان تشریف لے گئے اور وہاں شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں قیام کیا۔ شیخ نے انھیں اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور مولانا مجدالدین کے سپرد کیا۔ اسی

دوران میں مخدوم نے قراءتِ سبعہ کو سیکھا اور دیگر علوم کی بھی تکمیل کی۔ جس وقت وہ حرمین شریف میں پہنچے تو شیخ عبداللہ یافعی سے مکہ میں اور شیخ عبداللہ مطری سے مدینہ شریف میں حدیث کا درس لیا اور عوارف المعارف بھی پڑھی۔

مخدوم نے اپنے ملفوظات جامع العلوم میں فرمایا ہے کہ: مدینہ شریف میں ہر رات تہجد کے وقت شیخ عبداللہ مطری، جو شیخ مدینہ اور مسجدِ نبوی کے مؤذن تھے، میرے حجرے میں تشریف لاتے اور مجھے درس دیتے تھے۔ میرے اصرار کے باوجود اسے مناسب اور درست خیال نہ فرماتے کہ میں ان کے پاس جاؤں۔ وہ فرماتے تھے کہ آپ اولادِ رسول ہیں۔ آپ کا مجھ پر حق ہے کہ آپ کی خدمت میں آؤں۔ مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران میں مخدوم کو یہ سعادت ہاتھ آئی کہ ایک بار انھیں مسجدِ نبوی میں امامت کی سعادت حاصل ہوئی۔ شیخ عبداللہ مطری کی کرم فرمائی سے مخدوم کو عوارف المعارف کا وہ نسخہ میسر آیا، جو شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کا مملوکہ تھا۔

علوم و مجالس:

تمام مؤرخین اور تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ حضرت مخدوم علوم نقلیہ اور عقلیہ کے جامع تھے۔ وہ تصوف میں بھی ارفع اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۱ھ) نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ: مخدوم علم، ولایت اور سیادت کے جامع تھے۔ مولانا سید عبدالحئی نے نزہتہ الخواطر میں تحریر کیا ہے کہ: مخدومِ جہانیاں روشن دماغ، شیریں زبان، دلکش اور واضح بیان اور اخلاقِ کریمانہ کے مالک تھے۔ مخدوم کی مجالس معلومات سے پُر ہوتی تھیں۔ وہ اپنی مجالس میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے حوالے سے گفتگو فرماتے تھے اور اہلِ مجلس ان سے استفادہ کرتے تھے۔ مخدوم اکثر اوقات مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح، عوارف المعارف، رسالۂ مکیہ، قصیدۂ لامیہ اور شرحِ نودو نہ اسماء کا درس بھی دیا کرتے تھے۔

بیعت و خلافت:

مخدوم نے ابتداً اپنے والدِ بزرگوار سے بیعت کی۔ اس کے بعد وہ شیخ ابوالفتح رکن الدین کے مرید ہوئے اور ان سے مراحلِ تصوف کی تکمیل کی۔ منقول ہے: کہ ایک روز شیخ رکن الدین بالائے منزل سے نیچے تشریف لا رہے

تھے ۔ مخدوم نے شیخ کی سلامتی کے لیے اپنے سینے کو پائیدان بنایا (تاکہ شیخ آسانی کے ساتھ نیچے اُتریں) ۔ شیخ، مخدوم کو اس وضع میں دیکھ کر متعجب ہوئے ۔ شیخ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ان کا سینہ اپنے سینے سے مَلا۔ فرمایا : اے سید !دروازۂ نبوت تو بند ہو چکا ہے ، لیکن اقلیم ولایت میں اس طرح حکمرانی کروگے کہ کسی کو یسر نہ ہوئی ہوگی۔

لطائفِ اشرفی میں منقول ہے کہ : مخدوم نے ایک سو چالیس سے زائد اولیاء اور مشائخ سے خرقۂ خلافت پایا اور علمِ شریعت ، طریقت ، حقیقت اور تصوف کے باب ان سے استفادہ کیا۔ عبدالرحمن (م ۱۰۹۴ ھ) نے مرأۃ الاسرار میں تحریر کیا ہے کہ : مخدوم نے دنیا کے اماکنِ کثیرہ کا سفر کیا۔ مشائخ کے چودہ سلاسل اور اکتالیس گروہوں سے ملاقاتیں کیں۔ شیخ راجو قتال (م ۸۲۷ھ) سے مروی ہے کہ : مخدوم نے تیس سے زائد مشائخ سے روحانی فیض حاصل کیا اور ان کے مبارک ہاتھوں سے خرقۂ خلافت پہنا۔ آخرِ کار شیخ نصیر الدین محمود اودھی المعروف بہ چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ) کی خدمت میں پہنچے اور مشائخِ چشت کا خرقۂ خلافت حاصل کیا اور صوری اور معنوی نعمتوں سے فیض یاب ہوئے ۔ اس خرقۂ خلافت کے حصول کے بعد اس طرح جمعیتِ قلبی سے سرفراز ہوئے کہ پھر کسی دوسرے کی صحبت کی احتیاج باقی نہ رہی۔

کرامات :

سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۰۸ھ) نے لطائفِ اشرفی میں مخدوم کی کرامات کا ذکر کیا ہے ۔ ان کا ارشاد ہے کہ : مخدوم سے اس نوعیت کی کرامات وقوع پذیر ہوئیں کہ صوفیۂ متاخرین میں دیکھی نہیں گئیں اور انھیں مظہر العجائب اور مصدر الغرائب کے القاب سے یاد کیا گیا۔ مولانا جمالی نے سیر العارفین اور عبدالرحمن چشتی نے مرأۃ الاسرار میں مخدوم کی کرامات کا تذکرہ کیا ہے ، لیکن مخدوم خود کرامات کو معیارِ ولایت قرار نہیں دیتے تھے ۔ جامع العلوم میں فرماتے ہیں : ممکن ہے کہ کوئی ہوا میں اُڑے اور کوئی دریا پر قدم دھرے ، لیکن وہ کمالِ ولایت کو نہیں پہنچ سکتا، یہاں تک کہ وہ اپنی گفتار و رفتار میں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہ کرے ۔

سیر و سیاحت :

مخدوم نے دنیائے عالم کے اکثر وبیشتر علاقوں کو دیکھا۔ بہت سفر کیا اور اس وجہ سے جہاں گشت کہلائے۔ خزینۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ: مخدوم اُچ سے سفر کرکے مدینہ طیبہ گئے اور دو سال شیخ عبداللہ مطری کی خدمت میں رہے اور ان کی مہربانی سے ایک بار مسجدِ نبوی میں امامت کی سعادت بھی یسر آئی۔ بعد ازاں گازرون، مصر، شام، عراقین، بلخ، بخارا اور خراسان کا سفر اختیار کیا۔ چھے بار حج اکبر سے مشرف ہوئے۔ سراج الہدایہ میں مخدوم کا ارشاد ہے کہ: محمد تغلق نے مجھے شیخ الاسلام کے منصب پر مقرر کیا اور چالیس گاؤں میرے تصرف میں دئیے۔ میں نے اپنے شیخ رکن الدین کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے تھے: اس جگہ سے سفر کرو، وگرنہ غرق ہوجاؤ گے۔ میں فوراً سفر پر روانہ ہوا اور مکہ معظمہ پہنچا۔ مخدوم کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ سات سال مکہ میں رہے۔ فرماتے تھے کہ مکہ میں ایک مفسر تھا۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کرتا تھا۔ میں سات سال تک ان کی تفسیر سے فیض یاب ہوا۔ پھر سفر پر روانہ ہوا۔ معلوم نہیں کہ سورۂ فاتحہ کے وہ مفسر کتنے سال تک اس سورہ کی تفسیر میں منہمک رہے۔

ابو عبداللہ یافعی:

مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے میں مخدوم نے شیخ ابو عبداللہ یافعی سے علومِ ظاہری و باطنی میں استفادہ کیا۔ عبدالرحمن مراۃ الاسرار میں شیخ ابو عبداللہ یافعی کے احوال میں رقمطراز ہیں: ان کا نامِ گرامی عفیف الدین تھا۔ وہ امامِ شافعی کے مشرب پر (عامل) تھے۔ وہ یمن کے باشندے تھے، لیکن حرمین شرفین کی مجاوری کا شرف رکھتے تھے اور اپنے عصر کے علماء و مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے۔ ان سے کئی کتابیں یادگار ہیں، جن میں سے مراۃ الجنان، روضۃ الرحاحین فی حکایات الصالحین وغیرہ (زیادہ معروف ہیں)۔ شیخ یافعی نے خرقۂ ارادت شیخ رشید الدین ابی عبداللہ بغدادی سے حاصل کیا، جو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ وہ قادریہ اور رفاعیہ (سلاسل) میں بھی مجاز تھے۔ انھیں شیخ ابو مدین مغربی سے بھی خلافت حاصل تھی۔ مخدوم ایک طویل مدت مکہ معظمہ میں ان کی خدمت میں باریاب رہے اور ان سے متنوع امور میں استفادہ کیا۔ مخدوم نے ان سے عوارف المعارف اور طریقۂ تصوف کا بھی درس لیا اور ان سے خرقۂ خلافت بھی پہنا اور کئی دیگر کتبِ تصوف بھی ان سے پڑھیں۔ ان کی تاریخِ وصال معلوم نہیں۔ مراۃ الجنان میں انھوں نے ۷۵۰ھ تک کے واقعات اور حادثات کا ذکر

کیا ہے، لیکن معلوم نہیں کہ اس کتاب کی تالیف کے بعد وہ کب تک حیات رہے۔ نواب صدیق حسن خان ابجد العلوم میں لکھتے ہیں: عبداللہ بن اسعد المازنی الشافعی الیافعی ۷۶۵ھ کو مکہ میں فوت ہوئے اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔ مولانا جمالی نے سیر العارفین میں لکھا ہے کہ: امام یافعی شیخ نصیر الدین محمود اودھی کے معاصر تھے۔ جب مخدوم امام یافعی کی صحبت میں مقیم تھے، ایک بار انھوں نے مخدوم سے فرمایا: دہلی میں جتنے بھی درویشانِ باصفا تھے، وہ گزر گئے، صرف شیخ نصیر الدین محمود باقی ہیں اور وہ بزرگوں کے مآثرات اور برکات کے امین ہیں۔ اس زمانے میں وہ دہلی کے چراغ تصور کیے جاتے ہیں۔ مشائخ کی روایات اور رسومات ان کی وجہ سے زندہ ہیں۔ مخدوم نے اسی وقت نیت کرلی کہ جب بھی سفرِ بیت اللہ سے واپس گیا تو دہلی میں ان کی خدمت میں جاؤں گا۔ (کچھ عرصے بعد) جب مخدوم ان کی خدمت میں پہنچے تو شیخ نصیر الدین محمود نے فرمایا کہ آپ کو امام یافعی کے ارشاد کی وجہ سے فقیر سے حسنِ ظن پیدا ہوا ہے۔ مخدوم نے جواب دیا: خدا امام یافعی پر رحمت کرے کہ مجھے اس عظیم دولت سے بہرہ یاب کیا۔

محمد تغلق:

سلطان محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) مخدوم سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ اس نے انھیں شیخ الاسلامی کا منصب عطا کیا اور چالیس خانقاہیں ان کے تصرف میں دیں، لیکن مخدوم نے اپنے شیخ کے اشارۂ (غیبی) سے اس منصب کو قبول نہ فرمایا اور مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا۔ خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہے کہ سلطان محمد تغلق کے عہد میں ان کے لیے شیخ الاسلامی کا منصب اور سیوستان میں خانقاہِ محمدی کی مسند مخصوص کی گئی تھی۔

فیروز تغلق:

فیروز شاہ تغلق (م ۷۹۰ھ) اگرچہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے پوتے شیخ علاء الدین کے مرید تھے، لیکن وہ مخدوم سے بھی خصوصی اخلاص اور محبت رکھتے تھے۔ سراج عفیف تاریخِ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ: مخدوم دو یا تین سال کے بعد اُچ سے (دہلی) آتے تو فیروز شاہ تغلق ان کے استقبال کے لیے فیروز آباد سے باہر آتا اور انھیں اعزاز اور احترام کے ساتھ لے کر جاتا۔ مخدوم کبھی کوشکِ معظم میں، کبھی شفا خانے میں اور کبھی شہزادہ فتح اللہ خان کی خانقاہ میں اقامت اختیار فرماتے اور جب کبھی مخدوم فیروز شاہ کی ملاقات کے لیے باہر تشریف لاتے تھے اور حجاب کے

مقام پر پہنچتے تھے تو فیروز شاہ ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ بعد ازاں دونوں بزرگ جام خانے کے اوپر بیٹھتے تھے اور جب مخدوم مراجعت فرماتے تھے، فیروز شاہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ جب تک مخدوم نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے، وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتا تھا۔ بسا اوقات فیروز شاہ مخدوم کی قیام گاہ پر ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ مخدوم لوگوں کی حاجات بیان فرماتے اور فیروز شاہ ان کی حاجات پوری کرتا تھا۔ جس وقت مخدوم اُچ کے لیے مراجعت فرماتے تھے، وہ ایک منزل تک ان کے ہمراہ جاتا تھا۔ مخدوم جب آخری بار اُچ سے تشریف لائے تو فیروز آباد میں معمول سے زیادہ قیام فرمایا اور جب فیروز شاہ سے سفر کی اجازت طلب کی۔ اس سے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ سے یہ میری آخری ملاقات ہے۔ میری عمر تمام ہوا چاہتی ہے۔ بادشاہ کی عمر کا بھی تقاضا ہے کہ وہ بھی سیر و شکار کے لیے دہلی سے دور نہ جائے۔

ٹھٹھہ کی مہم:

محمد تغلق ٹھٹھہ کی مہم میں ناکام ہوا۔ اس کی وفات کے بعد جب فیروز شاہ تغلق سریر سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے ٹھٹھہ کی فتح کی تکمیل کے لیے اقدامات کیے۔ اس نے ۷۶۴ھ میں لشکر کشی کی اور ٹھٹھہ پہنچ گیا۔ اس وقت ٹھٹھہ کا حاکم بانہبینا تھا۔ جس وقت فیروز شاہ لشکرِ جرار کے ساتھ ٹھٹھہ کے قریب پہنچا تو جام بانہبینا نے دریائے سندھ کا پُل توڑ دیا اور قلعہ بند ہو گیا۔ فیروز شاہ نے دریا کے کنارے پر قیام کیا تو جام بانہبینا کا لشکر اس پر حملہ آور ہوا۔ قریب تھا کہ فیروز شاہ پسپا ہو تا کہ دہلی سے مدد پہنچ گئی اور جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ بعد ازاں مخدوم، جام بانہبینا کی درخواست پر فیرز شاہ کے پاس صلح کا پیغام لے کر گئے۔ اس نے مخدوم کا بہت احترام کیا اور ان کے اشارے پر جام بانہبینا کو معاف کر دیا۔ اسے اپنے ساتھ دہلی لایا اور دوبارہ سندھ کا حاکم مقرر کر دیا۔

مخدوم کا دہلی میں ورودِ مسعود:

۷۸۱ھ میں فیروز شاہ کی ملاقات کے لیے مخدوم نے دہلی میں قدم رنجہ فرمایا۔ اس وقت بادشاہ سومانہ کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ مخدوم نے دہلی میں اس کا دو ماہ انتظار کیا۔ اس دوران میں اہلِ دہلی نے مخدوم سے اخذ و استفادہ کیا۔ اسی

زمانے میں علاء الدین علی نے مخدوم کے ملفوظات جامع العلوم کے عنوان سے ترتیب دئیے۔ واضح رہے کہ ۷۷۲ھ کے سفرِ دہلی کے دوران میں ان کے ملفوظات سراج الہدایہ کے نام سے مرتب ہوئے تھے۔

اتباعِ شریعت :

مخدوم شریعت اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل تھے۔ انھوں نے بارہا ارشاد فرمایا کہ : حقیقت، شریعتِ غرا کی پیروی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص طریقت اور حقیقت کا شناسا ہو اور شریعت سے بے بہرہ ہو، وہ شیخ نہیں، جاہل ہے۔ وہ جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت کا عالم نہ ہو، ولی نہیں ہو سکتا۔ مخدوم پیرویِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حظِ وافر رکھتے تھے۔ ان کا فرمان ہے : سالک کو چاہیے کہ وہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہو، (کیوں) کہ یہی ایک طریقہ معرفتِ الہیہ کا ہے اور وہ بدعتی، جو ڈاڑھی منڈواتے ہیں اور ہاتھوں میں آہنی یا برنجی زیور (کڑے) پہنتے ہیں، وہ حقیقت کے راستے کے گمراہ ہیں۔ فرماتے تھے کہ قرآنِ کریم میں آیا ہے : ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، یعنی جو کوئی خدا سے محبت اختیار کرتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ دستورِ شریعت کی پیروی کرے۔ خداوندِ کریم اس کو محبوب رکھے گا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باب میں مخدوم کی پابندی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اگر کبھی بادشاہ یا شہزادے ان کے پاس آتے تو مخدوم انھیں شریعت (پر عمل پیرا ہونے) کا حکم دیتے اور ان کے منکر کی نکیر کیا کرتے تھے۔

اُچ متبرکہ میں مخدوم کی آرام گاہ :

مخدوم نے ۷۸ سال عمر پائی اور ۷۸۵ھ میں عید قربان کے روز وفات پائی۔ ان کی آرام گاہ ان کے شہر اُچ میں (مرجعِ خلائق) ہے۔ اس آرام گاہ پر ایک قطعہ کندہ ہے، جو تاریخِ وفات پر مشتمل ہے :

تاریک گشت جملہ جہاں بی جمالِ شاہ

تاریخ بود هفصد و هشتاد و پنج سال

ایک دوسرے شاعر نے ان کی تاریخِ وفات کو اس طور کہا ہے :

تاریخ نقلش ازیں جہاں رضواں

گفت مخدومِ ماہ دیں بر خواں
ہست در اُچ مرقدِ آں شاہ
عطر اللہ قبرہ وثراہ

ملفوظات :

قدیم تذکرہ نگاروں نے مخدوم کے احوال میں دو کتابوں کا ذکر کیا ہے : خزانۂ جلالی اور تاریخِ قطبی اور ان سے منسوب باقی کتابوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ مابعد زمانے میں کچھ ملفوظات اور سیاحت نامے ان سے منسوب ہوئے۔ محققین کا اتفاق ہے کہ یہ ملفوظات اور سیاحت نامے حقیقی نہیں ہیں، بل کہ موضوعی ہیں۔

راقم اب سراج الہدایہ، جو مخدوم کے ملفوظ شمار ہوتے ہیں، کے بارے میں اپنے افادات کا اظہار کرتا ہے :

(۱) سراج الہدایہ کے مقدمے کا مطالعہ کرنے کے بعد دو افراد سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک احمد برنی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مخدوم ۷۷۲ھ میں دہلی تشریف لائے۔ میں اگرچہ ان کا مرید نہیں ہوں، مگر ان کا عقیدت کیش اور معتقد ہوں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ملفوظات لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ پھر میں نے سراج الہدایہ کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا۔

دوسرے فرد احمد معین سیاہ پوش علوی ہیں۔ سراج الہدایہ کے بعض نسخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خود کو ایرجی یا اُچی کہا ہے۔ وہ مخدوم کے مرید اور شیخ نورالدین مبارک غزنوی کے پوتے ہیں۔ ان کے بقول : مخدوم ۷۸۷ھ میں دہلی آئے (حالاں کہ مخدوم ۷۸۵ھ میں رحلت فرما گئے تھے)۔ وہ کہتے ہیں کہ مخدوم کی دہلی آمد سے قبل ان کے صاحبزادے عبداللہ تشریف لائے اور فیروز شاہ کو مخدوم کے دہلی آنے کی اطلاع (خوشخبری) دی۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے اپنے خاندانِ عالیشان کے حوالے سے کوئی معتبر کتاب عطا فرمائیں، تاکہ اسے عوام کے نفع اور فلاح کے لیے نقل کروں۔ وہ کتاب سراج الہدایہ تھی۔

اس بیان سے واضح ہوتا کہ یہ دو مختلف شخصیات ہیں۔ ان کے اقوال باہم متضاد (اور متناقص) ہیں۔

راقم کے سامنے سراج الہدایہ کے پانچ نسخے ہیں۔ ان کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض کاتبوں نے اس کتاب کو مخدوم کی تصنیف قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مخدوم کا ملفوظ بتایا ہے۔ پس واضح نہیں ہوتا کہ سراج الہدایہ مجموعۂ ملفوظات ہے یا مخدوم کی تصنیف؟

(۲) فوائد الفواد (ملفوظاتِ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء) اور مجالس الابرار؟ (ملفوظاتِ نصیر الدین اودھی) جیسے ملفوظات کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شیوخ کے ملفوظات کی جمع آوری کا طریق اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی بزرگ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا اور وہ بزرگ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے، وہ لکھ لیتا تھا۔ خواہ وہ فقہی مسئلہ ہو یا کوئی تفسیری نکتہ یا پھر کوئی حدیث یا گذشتہ صوفیہ کا کوئی واقعہ، لیکن سراج الہدایہ کا طریقِ ترتیب و تہذیب اس نوع اور جہت سے مختلف ہے۔

(۳) ملفوظات کی کتابوں میں کسی دوسرے بزرگ کا کوئی مکمل اور مستقل رسالہ یا کتاب نقل نہیں کی گئی، لیکن سراج الہدایہ میں رسالہ معرفۃ المذاہب منسوب بہ امام ابو حنیفہ مکمل طور پر منقول ہے۔ یہ وہی رسالہ ہے، جسے پروفیسر عبد العلیم نے مرتب کیا اور ۱۹۶۰ء میں علی گڑھ سے شائع کیا۔ انھوں نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ اس رسالے کی امام ابو حنیفہ سے نسبت درست نہیں۔ اس کے بیس اوراق ابنِ عربی کی فتوحاتِ مکیہ کے ایک باب بعنوان ''احوالِ قیامت'' سے من و عن نقل کیے گئے ہیں۔

(٤) جامع العلوم، جو مخدوم کا ملفوظ شمار ہوتا ہے، اور اس کی ان سے نسبت قابلِ اعتبار (اور درست) ہے۔ نواب صدیق حسن خان جیسے متبحر عالم نے بھی اس مجموعۂ ملفوظات کی مخدوم سے نسبت درست اور صحیح قرار دی ہے، لیکن سراج الہدایہ کے بعض بیانات میں اس خیال کی تردید ہوتی ہے، مثلاً: حبشی کی دو بیٹیوں کا واقعہ، جنھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں اشعار (لسعت حیة الھوٰی کبدی) ترنم کے ساتھ پڑھے۔ اس واقعے سے سراج الہدایہ میں سماعِ سرود کی حلت کا استدلال کیا گیا ہے، جب کہ اسی واقعے کو جامع العلوم میں ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

(۵) مخدوم کے بارے میں جید علماء، مثلاً: شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحبِ اخبار الاخیار، نواب صدیق حسن خان صاحبِ ابجد العلوم اور الفرع النامی، مولانا سید عبدالحئی لکھنوی صاحبِ نزہۃ الخواطر اس پر متفق ہیں کہ مخدوم علومِ حدیث و فقہ میں ید طولیٰ اور علومِ ظاہری و باطنی میں حظِ وافر رکھتے تھے، لیکن سراج الہدایہ (ان اوصاف اور خصائص کے) مخالف ہے۔ مختلف ابواب میں متنوع احادیث، محدثین جن کی وضعیت پر متفق ہیں، سراج الہدایہ میں بکثرت دکھائی دیتی ہیں، خصوصاً: فواکہ کے فضائل (کے بیان) میں ایسی احادیث نقل ہوئی ہیں کہ جنھیں عقل تسلیم نہیں کرتی کہ انھیں مخدوم نے نقل کیا ہوگا۔

(۶) ایک اور مخطوطہ، جو سیر نامہ کے عنوان سے موسوم ہے، احمد برنی جامع سراج الہدایہ سے منسوب ہے۔ اس نے اس رسالے میں ثابت کیا ہے کہ قدمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشان، جو شہزادہ فتح اللہ کی قبر پر نصب ہے، درست اور صحیح ہے۔ اسے مخدوم اُٹھا کر لائے تھے، لیکن تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور وضعی ہے۔ مرزا سنگین بیگ صاحبِ سیر المنازل نے قدمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اسی وضعی اور جعلی رسالے سے نقل کیا ہے۔

متذکرہ بالا وجوہ کی بنیاد پر راقم کا خیال ہے کہ سراج الہدایہ کی مخدوم کی طرف نسبت درست نہیں ہے۔

طریقِ کار:

جس وقت راقم سراج الہدایہ کی ترتیب (و تہذیب) میں مشغول تھا، جہاں کہیں بھی اس کا کوئی نسخہ نظر نواز ہوا، میں نے اسے نقل کیا۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) سراج الہدایہ: جواہر میوزیم مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ۔ یہ نسخہ اول و آخر سے ناقص ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا کاتب کون ہے اور کس سنہ میں کتابت ہوا؟ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کے ناقل عربی اور فارسی سے روشناس نہیں۔ انھوں نے الفاظ کو لکھنے میں مسخ کیا ہے۔ ابرار حسین فاروقی نے اس نسخے کی قدرے تصحیح کی ہے اور اس پر اظہارِ خیال بھی کیا ہے۔

(۲) سراج الہدایہ : رضا لائبریری رامپور۔ نمبر ۱۰۶۰۔ اس نسخے کے سرورق پر یہ عبارت (لکھی گئی) ہے : سراج الہدایہ ملفوظاتِ مخدوم از احمد معین سیاہ پوش ساکن خطۂ ایرج نبیرۂ نورالحق والدین سید مبارک غزنوی اور آخری ورق پر مرقوم ہے : تمام شد سراج الہدایہ من تصنیفِ مخدوم قطب العالم مخدوم جہانیاں دامت برکاتہ۔ کاتب مولانا فرض اللہ ولد مولانا عبداللہ بن مولانا کرم اللہ قریشی نارنولی بتاریخ ۲۷، صفر ۱۰۲۹ھ۔

(۳) سراج الہدایہ : رضا لائبریری رامپور۔ نمبر ۱۰۵۹۔ اس نسخے کا ترقیمہ ہے : وجد الفراغ من کتابۃ فی شہر جمادی الآخر یوم الثلثاء وقت الضحیٰ سن عشر۔۔۔۔۔ بخط العبد الضعیف النحیف الراجی الی رحمۃ اللہ المشہر اللہ بن احمد القریشی البداوَنی۔

(٤) سراج الہدایہ : مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، دانشگاہِ علی گڑھ۔ اس کا ترقیمہ یوں ہے : ملفوظاتِ ابنِ احمد الکبیر الحسین البخاری۔ کاتب فقیر ابراہیم نزدِ روضۂ مخدوم العالم روزِ یک شنبہ بوقت دو پاس بتاریخ ۱۵، جمادی الثانی سن۔۔۔۔۔ ھذا المقالات کلھم رحمۃ ابداًقد تمت بعون اللہ الوہاب وحسن توفیقہ برحمتک یاارحم الراحمین۔

(۵) سراج الہدایہ : مفتی الٰہیٰ بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع مظفر نگر۔ یہ نسخہ آخر سے ناقص ہے، اس لیے کاتب (کا نام) اور تاریخِ کتابت معلوم نہیں۔

ترتیبِ متن :

اس مجموعے کی ترتیب و تہذیب میں اول الذکر تین نسخوں کو متن کی بنیاد بنایا گیا اور باقی دو نسخوں سے ان کا تقابل کیا گیا۔ ترتیبِ متن کے دوران میں، راقم نے نسخوں کے جزوی اور لفظی اختلافات سے صرفِ نظر کیا اور تینوں نسخوں کی معاونت سے متن ترتیب دیا۔ متذکرہ بالا تینوں نسخوں میں مذکور مختلف الفاظ میں سے راقم نے، جسے بہتر متصور کیا، اسے قبول کیا اور متن کا حصہ بنایا۔ وہ عبارات، جو تینوں نسخوں میں یکساں ہیں، لیکن رکاکت کی حامل ہیں، ان میں بھی تصرف نہیں کیا گیا۔ البتہ املائی، صرفی اور نحوی اغلاط، جو تینوں نسخوں میں بکثرت موجود ہیں، ان کی تصحیح کر دی گئی۔

بیانِ حواشی :

قرآنی آیات کے تراجم شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمۂ قرآن سے لیے گئے ہیں۔ احادیث اور دیگر عربی عبارات کے تراجم میں نے خود کیے ہیں۔ وہ احادیث کہ جنھیں محدثین نے موضوع اور بے اصل قرار دیا ہے، میں نے بحوالۂ کتب انھیں موضوع لکھا ہے اور وہ احادیث کہ جنھیں، محدثین نے صحیح لکھا ہے، ان کا بھی میں نے کتابوں کے (کوائف کے) ساتھ حوالہ دیا ہے۔ وہ احادیث، جو راقم کے نزدیک غیر معتبر ہیں اور محدثین ان کے باب میں خاموش ہیں۔ وہ احادیث، جو صحاحِ ستہ یا دوسری معتبر کتب میں موجود نہیں اور راقم کے نزدیک وہ معتبر ہیں، لیکن ان کی تصحیح کے لیے کوئی حوالہ دستیاب نہیں ہوا تو ان پر کچھ نہیں کہا گیا۔ اگر سراج الہدایہ میں کوئی حدیث منقول ہوئی، لیکن اس کی تعیین نہ ہو سکی تو اس معنی و مفہوم کی حدیث کو کتاب کے حوالے سے نقل کیا گیا۔ فقہ کی جو جزئیات سراج الہدایہ میں مذکور ہوئیں، بسا اوقات ان فتاویٰ کا حوالہ بھی دیا گیا۔ بعض فتاویٰ آج دسترس میں نہیں، یا ہند و پاک میں ان کا رواج نہیں۔ اگر وہ جزئیات مروجہ کتبِ فتاویٰ کے مطابق ہیں تو ان کا حوالہ دیا گیا اور اگر وہ جزئیات، جو مروجہ کتبِ فقہ کے مخالف ہیں، حواشی میں اس صورتِ حال کو واضح کیا ہے۔

راقم نے مخدوم کے کچھ احوال اس مقدمے میں لکھے ہیں، اگر قارئین ان کے زیادہ اوور مفصل احوال کے خواستگار ہوں تو وہ ان کتابوں کا مطالعہ کریں :

تاریخِ فیروز شاہی از سراج عفیف — سیر العارفین از مولانا جمالی

اخبار الاخیار اور الفرع النامی (؟) از عبد الحق محدث دہلوی

تاریخِ فرشتہ از ملا قاسم ہندو شاہ — مرأۃ الاسرار از عبد الرحمن چشتی

نزہۃ الخواطر از مولانا سید عبد الحیٔ الحسینی — بزمِ صوفیہ از صباح الدین

خاندانِ چشت (؟) از خلیق احمد نظامی — مخدوم جہانیان جہاں گشت از ایوب قادری

خطۂ پاک اُوچ از شہاب دہلوی صوفیۂ پنجاب از اعجاز الحق قدوسی

تشکر:

ناسپاس شناسی ہوگی، اگر پروفیسر سید نورالحسن کا شکریہ ادا نہ کروں۔ ان کی توجہ اور معاونت سے یہ کام تکمیل آشنا ہوا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا تشکر کہ انھوں نے اپنا مخطوطہ تقابلِ متن کے لیے مرحمت فرمایا۔ مولانا ابوالحسن زید فاروقی لائقِ صد شکر ہیں کہ انھوں نے اپنے نادر ذخیرۂ کتب سے استفادے کا موقع فراہم کیا۔

۲/مقدمہ بر جوامع العلوم ۲

سید جلال الدین بخاری مخدومِ جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے شہرۂ آفاق ہوئے۔ وہ علومِ شریعت و طریقت کے جامع اور معرفت و حقیقت کے رمز آشنا صوفیہ و مشائخ (کے حلقے کے فردِ فرید) تھے۔ آٹھویں صدی ہجری میں ان کی شخصیت اوج کمال پر پہنچ گئی۔ ان کی شہرت اور ناموری کا ستارہ شرق و غرب میں چمکا اور ان کی عظمت اور بزرگی کا آوازہ زمان و مکاں کی حدود سے باہر نکل گیا۔ ان کا نام حسین اور لقب جلال الدین ہے۔ اگرچہ اکثر سوانح نگاروں نے ان کا نام جلال الدین لکھا ہے، جو کہ از روئے تحقیق درست نہیں۔ روایات اور مستند کتب کے مطابق: وہ اپنے جدِ امجد (جو کہ سرخ کے لقب سے معروف تھے) کے ہم نام اور ہم لقب تھے۔

سید جلال الدین سرخ بخاری تاتاریوں کے حملے کے زمانے میں بخارا سے ہندوستان آئے۔ وہ اولاً بھکر میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں سید بدرالدین خطیبِ بھکر کی دخترِ نیک اختر سے عقدِ نکاح میں منسلک ہوئے۔ بعد ازاں ملتان آئے اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا (جو کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے اجل خلیفہ تھے) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سید جلال الدین سرخ بخاری اس قطبِ وقت کی اجازت اور خلافت سے مشرف ہوئے اور ان کے حکم سے وادیِ سندھ کے قدیم العہد اور بزرگ ترین شہر اُچ میں اقامت اختیار فرمائی۔ ان کے فرزند سید احمد کبیر الدین اسی شہر میں متولد ہوئے اور ظاہری و باطنی فیوضات اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کیے اور ان کی وفات کے بعد ان کی مسندِ ارشاد پر

جلوہ نشین ہوئے۔ مخدومِ جہانیاں جہاں گشت سید احمد کبیر کے فرزندِ ارجمند تھے۔ انھوں نے بھی علوم ظاہری و باطنی اپنے والدِ گرامی سے حاصل کیے۔ شاہ ابوالفتح رکنِ عالم کی بیعت کی اور ان سے کسبِ فیض کیا، گویا اپنی صراحی علم ومعرفت سے بھر لی۔

کہتے ہیں کہ: ایک بار جب ہلالِ عید اُفقِ مغرب پر نمودار ہوا۔ سید موصوف اپنے مرشد کے دادا حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی کے مرقد پر پہنچے اور ان سے عیدی طلب کی۔ یہ 'عیدی' تحائف کی وہ قسم ہے کہ بزرگ اپنے عزیزوں کو جشنِ عیدِ سعید کی مناسبت سے عطا فرماتے تھے۔ ندا آئی کہ مخدومِ جہانیاں کا خطاب ہماری طرف سے تمھاری عید کا تحفہ ہے۔ دوبارہ یہ آواز شیخ صدرالدین عارف کے مرقدِ مبارک سے سنی اور جب اپنے مرشد شیخ رکن الدین کی بارگاہ میں وارد ہوئے، تو وہ خطاب، جو عطیۂ غیبی تھا، (تیسری بار) ان کی سماعت سے ٹکرایا۔ بعد ازاں جب وہ خانقاہ سے باہر آئے تو جو کوئی انھیں دیکھتا تھا، اسی خطاب سے مخاطب کرتا تھا۔ وہ اسی خطاب سے متعارف اور معروف ہوئے۔ جہاں گشت کا خطاب، جو اُن کی قامت زیبا پہ موزوں اور مناسب تھا، بلادِ اسلامیہ کے طول و عرض میں سیاحت کی بدولت نصیب ہوا۔

عبدالرحمن چشتی (م ۱۰۸۴ھ) مرأۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ: مخدوم جہانیاں نے دنیا کے اماکنِ کثیرہ کا سفر کیا اور چودہ سلاسل کے اکتالیس بزرگوں سے ملاقات کی...... اور آخر میں شیخ نصیر الدین اودھی المعروف بہ چراغِ دہلی (م ۷۵۷ھ) کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے دستِ مبارک سے پیرانِ چشتیہ کا خرقۂ خلافت پہنا اور صوری و معنوی نعمتوں سے بہرہ مند ہوئے۔

سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۰۸ھ) نے لطائف اشرفی میں حضرت مخدوم کی کرامات کے باب میں لکھا ہے کہ: مخدوم سے اس نوع کی کرامات کا ظہور ہوا کہ صوفیۂ متأخرین نے ایسی کرامات نہیں دیکھیں۔ مخدوم کے کچھ احوال پہلی کتابوں، مثلاً: تاریخِ فرشتہ، تاریخِ فیروز شاہی، اخبار الاخیار اور نزہۃ الخواطر میں مذکور ہیں۔ سراج الہدایہ کے مقدمے میں، میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ عالم، بزرگ اور شاعر مولانا جمالی (جن کا دو واسطوں سے مخدوم سے

ارادت اور بیعت کا تعلق ہے) کی تصنیفِ لطیف سیر العارفین سے بھی میں نے چند اقتباس نقل کیے ہیں۔ متذکرہ بالا تمام کتابیں بالخصوص موٴخر الذکر کتاب اپنی صحتِ روایات کے اعتبار سے مستند اور معتبر ہے۔

تاریخِ فرشتہ از ملا محمد قاسم ہندو شاہ سے اقتباس :

سید جلال الدین بخاری ایک متبحر عالم تھے۔ انھوں نے عقلی اور نقلی علوم کے حصول میں بہت مشقت اُٹھائی۔ وہ اس (اصول) کے اسیر نہ تھے کہ ایک بزرگ کا مرید ہونے کے بعد دوسروں سے اکتسابِ فیض نہیں کرنا چاہیے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ تمام مشائخ اور فضلاء کی زیارت کرنی چاہیے اور جس کی بھی زیارت نصیب ہو جائے، اس سے فیض اُٹھانا چاہیے۔ اولاً انھوں نے اپنے والدِ گرامی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور بعدہ شیخ رکن الدین ابو الفتح سے۔ منقول ہے کہ وہ برسوں ان کی خدمت میں حاضر رہے اور بعد ازاں مکہ، مدینہ، مصر، شام، بیت المقدس، روم، عراقین، خراسان، بلخ اور بخارا کا سفر کیا۔ کئی حج کیے، جن میں سے چھے حج اکبر تھے۔ مدینہ شریف میں سلطان العلماء اور استاد المحدثین عفیف الدین ابن سعد الدین علی الشافعی الیمنی سے ملاقات کی اور دو سال ان کی خدمت میں رہے اور انھوں نے مخدوم کو عوارف المعارف کا نسخہ بھی عطا فرمایا۔ کہتے ہیں کہ : عفیف الدین نے خرقۂ خلافت شیخ رشید الدین محمد ابو القاسم صوفی سے اور انھوں نے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے حاصل کیا تھا اور اسی طرح سفر کے دوران میں شیخ حمید الدین بن محمود الحسینی سمرقندی کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور ان سے خرقہ حاصل کیا اور فیض پایا۔ سید حمید الدین نے شیخ محمد ابراہیم نساجی سے اور انھوں نے شیخ نظام الدین ابو العطاء بخاری سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ : سید جلال الدین حسین نے سیر و سلوک کے دوران میں تین سو سے زائد اہلِ کمال سے ملاقات کی اور ان سے اکتسابِ فیض بھی کیا۔

سیر العارفین از مولانا جمالی (م ۹۴۲ھ) سے اقتباس :

مخدوم سات سال کے تھے، جب حضرت سید احمد کبیر انھیں شیخ المشائخ شیخ جمال الدین خنداں رو کی خدمت میں لے گئے اور انھیں، ان کی دست بوسی سے مشرف کرایا۔ شیخ خنداں رو کے سامنے کھجوروں سے بھرا ایک طشت رکھا تھا۔ ہر ایک زائر کو چند کھجوریں عطا فرما رہے تھے۔ چند کھجوریں مخدوم کو بھی عطا ہوئیں۔ مخدوم نے یہ کھجوریں

کھائیں اور ان کی گٹھلیوں کو بھی نگل گئے۔ شیخ خنداں رو (یہ منظر) دیکھ رہے تھے۔ مخدوم سے پوچھا: کھجوروں کو گٹھلیوں سمیت کھا گئے ہو۔ مخدوم اگرچہ کم سن تھے، (کیا خوب) جواب دیا کہ: کھجوریں آپ نے عطا فرمائی تھیں، لہٰذا ان کی گٹھلیوں کو پھینکا نہیں جا سکتا تھا (اس لیے نگل لیں)۔ پس یہ جواب سن کر ان کے والد سے فرمایا کہ: ہاں بابا! ایسا بیٹا رکھتے ہو کہ جو اپنے خاندان کو بھی منور کرے گا اور اپنے مشائخ کے خانوادے کو بھی۔

مخدوم کے بھائی شیخ المشائخ صدر الملۃ والدین المعروف راجو قتال سے منقول ہے کہ: سلطان المشائخ جلال الملۃ والدین مخدومِ جہانیاں نے تین سو سے زائد اہلِ کمال سے ملاقات کی اور ان سے فیضِ کلی حاصل کیا۔ اکناف و اطراف عالم میں انھوں نے بہت سفر کیے۔ اس فقیر نے مکہ، مدینہ، بیت المقدس، بغداد اور دوسرے بہت سے مقامات پر ان کے حجرہ ہائے متبرکہ کو دیکھا اور وہاں دوگانہ نماز ادا کی۔ اب ان حجروں کے مجاور (اور متولی) ہیں، جو جاروب کشی کرتے ہیں اور چراغوں اور قندیلوں کو روشن کرتے ہیں۔ مخدوم کے عالمانہ تعارف کے لیے ان کی کتاب مستطاب خزانۂ جلالی کافی ہے۔ تمام صاحبِ کمال اہلِ حال کو اس سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ مخدوم کے کمالات و مکاشفات مناقبِ قطبی، جو کہ ان کے ایک درویش کی مرقومہ ہے، سے آشکار ہیں، اس فقیر کو لکھنے کی حاجت نہیں۔ مخدوم کے مرید اور خلفاء کشف و کرامات میں معروف و مشہور ہیں۔

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار از شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ):

سید جلال الدین بخاری کا لقب مخدومِ جہانیاں ہے۔ علم، ولایت اور سیادت کے جامع تھے۔ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح قریشی کے مرید (اور خلیفہ) تھے۔ مخدوم، شیخ نصیر الدین محمود کے (سلسلۂ چشتیہ میں) خلیفہ تھے۔ انھیں مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعی کی صحبت بھی میسر رہی۔ سلطان محمد تغلق کے عہد میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز ہوئے۔ ہندوستان میں انھیں خانقاہِ محمدی کی سند بھی پیش کی گئی۔ کچھ عرصے بعد سب کچھ ترک کیا اور کعبۂ مبارک کا سفر اختیار کیا۔ وہ چودہ خانوادہ ہائے تصوف میں خلیفہ (کے منصب پر فائز) تھے۔

نزہۃ الخواطر از علامہ عبد الحیٔ الحسینی (م ۱۹۲۱ء):

شیخ، امام، بزرگ عالم اور دانشور جلال الدین حسین بن احمد بن حسین بن علی نسباً حسینی اور موطناً بخاری تھے۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ وہ شب برات ۷۰۰ھ کو اُچ میں متولد ہوئے اور اسی جگہ پرورش پائی۔ وہ قاضی بہاء الدین اُچی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ابتداء سے ہدایہ تک تمام کتب ان سے پڑھیں۔ جب قاضی صاحب موصوف واصل بہ حق ہو گئے تو مخدوم ملتان تشریف لے گئے۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ان کے حکم سے ان کے پوتے مولانا موسیٰ کے شاگرد ہوئے۔ (اسی زمانے میں) شیخ مجد الدین ملتانی کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا۔ بقیہ تمام متداولہ کتابیں ایک سال کی مدت میں ان دو بزرگوں سے پڑھیں اور پھر اپنے مولد و مسکن اُچ واپس آ گئے۔ وہ روشن طبع عالم تھے۔ انھوں نے اطاعتِ الٰہی اور امورِ خیر میں بے پناہ مجاہدہ کیا۔ وہ بہت عبادت گزار اور ریاضت کش انسان تھے۔ وہ فقیہ اور محدث بھی تھے اور اصول و فروغ میں مسلکِ حنفیت پر عامل بھی۔ وہ اسی مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ عزیمت کی راہ اختیار فرماتے اور رخصت سے پرہیز کرتے تھے۔

وہ اپنے مسلک میں کچھ تفردات (کے حامل بھی) تھے۔ چنانچہ جامع العلوم کے بیانیے کے مطابق: قراءتِ خلف الامام کو درست جانتے تھے اور اس طرح حنفی مسلک کے برخلاف غائبانہ نمازِ جنازہ کو بھی جائز سمجھتے تھے (بحوالہ خزانۂ جلالی)۔ مخدوم تابندہ ذہن، نکتہ آفرین، نکتہ شناس، ذہنِ رسا اور روشن طبعیت کے مالک تھے۔ وہ فہم و ادراک کی سرعت، شرینیٔ گفتگو، خوش بیانی اور تحریر و انشاء کے اوصاف سے متصف تھے۔ وہ شرافتِ طبعی اور اخلاقِ کریمانہ کے مالک تھے۔ دور و نزدیک سے خلقِ کثیر ان کے گرد جمع ہوتی تھی۔ بہت سے علماء اور فضلاء نے ان سے استفادہ کیا۔ اسی طرح طالبانِ علم اور سالکانِ ارشاد و ہدایت نے بھی ان کی طرف مراجعت کی۔ یہاں تک کہ وہ دیارِ ہند میں شہرۂ آفاق اور سر برآوردۂ روزگار ہوئے اور سلسلۂ تصوف کی بزرگی اور مشیخت کا سلسلہ ان پر منتہی ہوا۔ سلطان محمد تغلق نے انھیں شیخ الاسلام نامزد کیا اور سلطان فیروز شاہ تغلق ان کے مرید ہوئے۔ وہ ان کے عہد میں کئی بار دہلی میں تشریف لے گئے۔ مخدوم کے خطبات اور مواعظ: نکات و معارف سے پُر ہوتے تھے اور ان کی تحریر و انشاء کا اسلوبِ نگارش بھی منفرد تھا۔

مخدوم اپنے اقران واماثل کے مابین اپنے علم وفضل کی بنا پر ممتاز تھے۔ ان کے ملفوظات وارشادات (کے مجموعوں) سے آشکار ہے۔ مخدوم کے جملہ مجموعہ ہائے ملفوظات یہ ہیں[٣]:

١۔ خزانۂ جلالی مرتبہ احد

٢۔ خزانہ جواہرِ جلالی مرتبہ شیخ فضل اللہ بن ضیا العباس

٣۔ جامع العلوم مرتبہ سید علاء الدین علی بن سعد (در ٧٨١ھ)

٤۔ مناقبِ مخدومِ جہانیاں

٥۔ سراج الہدایہ

راقم نے مؤخر الذکر کتاب سراج الہدایہ کو مدون کیا اوراس کے دیباچے میں تحقیقی حوالے سے لکھا کہ اس کتاب کی مخدوم سے نسبت بوجوہ درست نہیں۔ اس تناظر میں جامع العلوم کی اہمیت وافادیت اور بڑھ گئی۔ علماء نے مخدوم کی طرف اس کتاب کا انتساب درست مانا ہے۔ ان محقق علماء میں سے، بے نظیر عالم نواب صدیق حسن خان، (جو اپنے معاصرین میں علم اور تصنیف نگاری میں امتیازی شان کے مالک ہیں)، نے اس کتاب کو از روئے تحقیق درست مانا ہے اوراس کی تلخیص کی ضرورت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ نواب صاحب کے فرزند اور علمی جانشین نواب نور الحسن نے جامع العلوم کی اردو میں اشاعت کا اہتمام کیا۔ یہ بھی اس کتاب کے درست انتساب کی ایک محکم دلیل ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ الدر المنظوم کے نام سید ذوالفقار احمد نقوی بھوپالی سہار نپوری نے ١٣٠٩ھ میں پانچ ماہ کی قلیل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

اس کتاب کے دو خطی نسخے نظر نواز ہوئے[٤]۔ اردو ترجمے کے ساتھ تقابل سے اندازہ ہوا کہ یہ بھی ناقص ہیں۔ اردو ترجمے میں، جو عبارات زائد ہیں اور فارسی میں مفقود ہیں، (ترتیبِ متن کے دوران میں) راقم نے ان اردو عبارات کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا احساس ہے، (لیکن میری کوشش رہی ہے) کہ آٹھویں

صدی ہجری میں اہلِ علم و فضل کے حلقے میں، جو فارسی رائج تھی، اس فصیح زبان کے معیار کو برقرار رکھ سکوں۔ محض اس علمی شاہ پارے (کہ نافعِ خلائق اور نادر ہے) کی تکمیل اور اتمام کے لیے ایک سعیِ ناتمام کی۔

جامع العلوم تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور دیگر علوم و معارف پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب معرفت، طریقت اور شریعت کے طالبان کے لیے گنج گراں مایہ ہے اور راہِ ہدایت کے سالکان کے لیے از بس مفید اور سود مند ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ شریعت اور طریقت کے علمی اور عرفانی نکات سے معمور ہے اور اس کا مصنف ایک ایسا کامل عالم اور عارف ہے کہ توفیقِ الہیٰ سے، جس کی نظر اشیاء کی حقیقت و ماہیت پر ہے اور اس کے علم و عرفان کی وسعتیں تمام اطراف و جہات کو محیط و مستولی ہیں۔ اس مجموعے سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ وہ صوفیۂ کبار، جو میدانِ معرفت میں سر گرمِ کار رہے اور دقائقِ طریقت میں بھی، کس قدر علوم کے عالم اور اسرار کے عارف تھے۔ ہر دور میں ایسے متصوفین بھی رہے ہیں کہ جو احکامِ شریعت اور اسرارِ معرفت سے بے خبر تھے۔ عوام الناس کہ جن کی اکثریت طبقۂ جہال سے متعلق ہوتی ہے، عالم و جاہل اور سیاہ و سفید میں فرق نہیں کرتے۔ وہ اہلِ علم و دانش اور بے ہنروں میں امتیاز نہیں کر سکتے، مگر خوش بو آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید کے مصداق ان کے ملفوظات ان کے احوال پر شاہدِ عادل ہیں کہ کس طرح وہ مجالسِ معرفت میں شمعِ خنداں اور چراغِ فروزاں کے مانند روشنی اور ضیاء پھیلاتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب (جامع العلوم) میں احادیثِ نبویہ بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ میں نے حسبِ ضرورت احادیث کی تخریج کی۔ ان دونوں خطی نسخوں اور ان کے ترجمے الدرالمنظوم کے مابین، معنی کا جو تغیر و تبدل موجود تھا، اس کی وضاحت کی اور تحقیق کے لیے جو کچھ ناگزیر تھا، اس کے لیے کوشاں رہا۔ وسائل اور ذرائع کی قلت اور فقدان کے باوجود بے پناہ محنت اور جستجو کی اور اس دیار کے محققین (جن میں سے اکثر کے ساتھ راقم کا پچاس سالہ تعلق تھا) سے استفادہ کیا اور بحمد اللہ اپنی اس سعی اور تلاش میں کامیاب و کامران ہوا۔

جامع العلوم کی ترتیب و تدوین کے دوران میں، میں نے مستشرقین کے طرزِ تحقیق سے قدرے انحراف کیا اور ان سے مختلف منہج اور راستہ اختیار کیا ہے۔ فہرست کی ترتیب و تہذیب میں ان اعلام و اماکن کو شمار نہیں کیا گیا، جو

قبولِ عام اور شہرتِ دوام کے حامل ہیں۔ وہ تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں اور ہر کوئی ان کے اوصاف سے آگاہ ہے، لیکن وہ اشخاص و بلاد جو نسبتاً غیر معروف (اور گمنام) ہیں، نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ ان کی توضیح کی گئی ہے۔ خاص طور پر دہلی میں مخدوم کے زمانۂ قیام کے ان مقامات، جو امتدادِ زمانہ اور مرورِ ایام سے ماضی (کے نہاں خانے) میں گم ہو گئے اور آج ان کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا، بہت تفحص اور تلاش سے ان کی نقاب کشائی کی۔ مختلف دیار و امصار میں پھیلے مخدوم کے اساتذہ اور مشائخ کے احوال کی بھی شرح کی گئی کہ ان میں سے ہر کوئی شیخ وقت اور عالمِ یگانہ تھا۔

جامع العلوم میں، جو احادیث مذکور ہیں، میں نے کوشش کی ہے کہ ان کے مأخذ کا ذکر کروں۔ اگر کوئی حدیث صحاح اور دیگر معروف کتبِ حدیث میں نہیں ہے اور اس کا مفہوم الفاظ کے تغیر و تبدل کے ساتھ کسی دوسری حدیث سے مستفاد ہے تو میں نے اس حدیث اور جس کتاب میں وہ مذکور ہے، ہر دو کا حوالہ دیا ہے اور وہ احادیث، جنھیں محدثین نے موضوعات کی صنف میں شمار کیا ہے، کا حوالہ اس فن کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث صحاح اور موضوعات کی کتب میں نہیں ملی تو اس کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ اس کوشش اور کاوش میں کسی فروگذاشت اور کوتاہی کو روا نہیں رکھا گیا۔ امکانی حد تک جرح و تعدیل سے ہاتھ نہیں اُٹھایا اور کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔

جامع العلوم میں واقعات اور مضامین کی تکرار اور قصص و احوال کا اعادہ اس (تسلسل اور تواتر) سے ہوا ہے کہ قارئین پر گراں گزرتا ہے۔ میں نے اس کو تحصیلِ حاصل گردانتے ہوئے ان مکررات کو اس طرح حذف کیا ہے کہ جس بھی مقام پر تکرار اور اعادہ ہوا، اصل واقعے اور قصے کی طرف محض اشارہ کیا کہ وہ فلاں صفحے پر مذکور ہے۔

جن دنوں میں جامع العلوم کی تلاش و جستجو میں (سرگرمِ عمل) تھا، ایک پاکستانی مصنف ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی کتاب سے منکشف ہوا کہ جامع العلوم کے دو خطی نسخے، ایک ذخیرۂ نوادرِ کتب حیدر آباد دکن اور دوسرا ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ جب میں نے ان نسخہ ہائے خطی کی جانب مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ یہ نسخ مخدوم کے ملفوظات نہیں، بل کہ فخر رازی کے رسائل (مفتاح العلوم و جامع العلوم) کا مجموعہ ہیں۔ مصنف نے تحقیق کی راہ اختیار نہیں کی اور محض نقل نویسی پر اکتفاء کیا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ ایک روز 'جویندہ یابندہ' کے

مصداق دہلی کے ایک ذخیرۂ کتب میں جامع العلوم کا خطی نسخہ، جو کتب خانے کے کارپردازوں کی نگاہ سے پوشیدہ تھا، نظر نواز ہوا۔ میں اسے خدائے بزرگ و برتر کی عنایات میں شمار کرتا ہوں اور اس کا شکر گزار ہوں کہ زحمتِ بسیار اور منتِ سوال کے بغیر یسر ہوا۔ دوسرا خطی نسخہ رامپور کے ایک نادر کتاب خانے سے فراہم ہوا۔ ان دونوں نسخوں کا تقابل کیا تو مختلف حوالوں سے انھیں ناقص پایا۔ الدر المنظوم ترجمۂ جامع العلوم سے استفادہ کیا اور ہر دو نسخوں کے نقائص سے واقف ہوا۔ تدوینِ متن کے دوران میں، میں نے ان دو خطی نسخوں اور اس کے ترجمے پر انحصار کیا ہے۔

جامع العلوم کے جامع سید علاء الدین علی بن اسعد دہلوی کے احوال تلاش و جستجو کے باوجود صوفیہ کے قدیم تذکار میں دستیاب نہیں ہوئے۔ البتہ نزہتہ الخواطر میں ان کے مختصر احوال مرقوم ہیں، لیکن ان کا سنۂ تولد و رحلت معلوم نہیں۔ جامع العلوم اور اس کے اسلوبِ بیان سے یہ مترشح ہے کہ جب مخدوم دہلی میں تشریف لائے تو جامع العلوم کے جامع اس وقت نوجوان آدمی تھے۔ اس وقت وہ تحصیلِ علم میں مصروف تھے اور ان کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء کہ اپنی جامعیت میں کتبِ پیشین سے بڑھی ہوئی ہے، میں ان کا ذکر نہیں۔ نزہتہ الخواطر پر اکتفاء کرتے ہوئے اس کا اقتباس یہاں نقل کر رہا ہوں۔

نزہتہ الخواطر (۴و۱۰۳۔ ج۳) :

عالم اور نیک نہاد علی بن اسعد بن اشرف بن علی الحسینی کا وطن دہلی ہے۔ ان کا لقب علاء الدین اور ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ وہ دہلی میں متولد ہوئے اور اسی شہر میں پرورش پائی۔ اپنے عہد کے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ۷۷۷ھ میں جب مخدومِ جہانیاں جہاں گشت دہلی میں تشریف فرما تھے، وہ ان کی صحبت سے خوش وقت ہوئے۔ بارِ دگر جب ۷۸۱ھ میں مخدوم کا دہلی میں ورودِ مسعود ہوا، وہ ان کی صحبت سے شادکام ہوئے۔ ان سے سلوک اور طریقت کا اکتساب کیا۔ ان ایام میں انھوں نے مخدوم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ فقہ میں: منتقی اور مجمع البحرین، قدوری اور ہدایہ کے منتخب حصے، اصولِ فقہ میں: حسامی، بزدوی، علم کلام میں: عقیدۂ نسفیہ اور قصیدۂ لامیہ، علمِ تفسیر میں: مدارک، تصوف میں: عوارف المعارف، تعرف، رسالۂ مکیہ اور دوسرے رسائل، حدیث میں: مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ کا سبقاً سبقاً درس لیا۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ کبیر بہاء الحق زکریا ملتانی اور مشائخِ چشت کے اورادو

وظائف سے استفادہ کیا۔ بعض وظائف بلاواسطہ مخدوم جہانیاں سے بھی حاصل ہوئے۔ اسی طرح کچھ اوراد مخدوم کے پوتے شیخ حامد (جو دس سال مخدوم کی محبت سے فیض یاب ہوئے) سے بھی سماع فرمائے۔

اسی زمانے میں مخدوم نے انھیں اپنی خلافت سے شرف یاب فرمایا اور اجازت نامے کو اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر دیا۔ شیخ علاء الدین کی تصانیف میں خلاصۃ الالفاظ و جامع العلوم بہت مشہور و معروف ہے۔ اصلاً یہ فارسی میں ہے اور دو جلدوں میں اپنے مرشدِ گرامی کے ملفوظات پر مبنی ہے۔

راقم کو علم و تحقیق کا کوئی دعویٰ نہیں، میں اس کو توفیق الٰہی اور تائید ایزدی میں شمار کرتا ہوں کہ مواد اور لوازمے کی فراہمی، مقامات اور اشخاص کے احوال کی جمع آوری میں میرے دوستوں نے بہت معاونت اور دستگیری فرمائی۔ فرمان نبویؐ لم یشکر اللہ من لم یشکر الناس کے مصداق اپنے رفقاء کا سپاس گزار ہوں۔ خاص طور پر پروفیسر سید نور الحسن کا ممنون ہوں کہ انھوں نے دستِ تعاون دراز فرمایا۔ اسی طرح ابوالحسن زید کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو منتنماتِ دہلی میں سے ہیں۔ ان کا ذخیرۂ کتب ایک عجائب خانہ ہے اور اس عجائب خانے سے استفادہ کرنے میں ان کا تعاون حاصل رہا۔

حواشی و تعلیقات (از مترجم)

۱۔ سراج الہدایہ کے حسبِ ذیل خطی نسخے محفوظ ہیں :

سراج الہدایہ: 17-16.ll ,110.ff .Size: 21.5x14cm :نستعلیق M.N.38 :۔

ذخیرۂ محمد اقبال مجددی : ناقص الطرفین ہے مگر صاحبِ کتب خانہ نے گمشدہ صفحات کی کاپی بنوا کر نسخے کو مکمل کر دیا ہے۔

(Catalogue of Arabic, Persian and Urdu Manuscripts, Rotographs and Microfilms etc, in the

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi :

Muhammad Iqbal Mujaddidi and Hamid Ali Ansari :

Puniab University Library, Lahore:2015: p18)

سراج الہدایہ : خطی نسخہ مملوکہ خلیق احمد نظامی۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص ۲۴۹۔)

سراج الہدایہ : خطی نسخہ مملوکہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص ۲۴۹)

سراج الہدایہ : خطی نسخہ مملوکہ رضا لائبریری، رامپور : نمبر ۱۰۵۹ : شہر اللہ بن احمد بدایونی (کاتب) : ۲۲۵، اوراق۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص ۱۹۰)

سراج الہدایہ : خطی نسخہ مملوکہ رضا لائبریری، رامپور : نمبر ۱۰۶۰ : مولانا فرض اللہ اللہ بن مولانا عبداللہ بن کرم اللہ قریشی نارنولی (کاتب) : ۲۶۔ صفر ۱۰۲۶ھ ۱۶۲۶ء۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص ۱۹۰)

سراج الہدایہ : ذخیرۂ حبیب، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ : ۱۶۷ برگ : نستعلیق : ۳۰، ۳۸۔

(https://www.amu.ac.in/pdf/amulib/M_Farsi_Tasawwuf_Malfuzat a.pdf)

سراج الہدایہ : خطی نسخہ مملوکہ جواہر میوزیم، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ : کرم خوردہ : نستعلیق قدیم۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص ۱۹۱)

سراج الہدایہ : دانشگاہِ پشاور : نستعلیق خوش : عبدالباقی : ۳۴۵ص۔

(فہرستِ مشترک : ص ۱۵۴۹)

سراج الہدایہ : پیپلز ڈسٹرک لائبریری، فیصل آباد : نستعلیق : سیف اللہ بن محمد مراد ساکن شکارور : ۴۸۸ص۔

(فہرستِ مشترک : ص ۱۵۴۹)

سراج الہدایہ : مولوی رحمت اللہ، فورٹ سنڈیمن : نستعلیق پختہ : سدۂ ۱۱ھ : ۳۲۷ص ۱۲، سطور۔

(فہرستِ مشترک : ص ۱۵۴۹)

سراج الہدایہ : ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہِ پنجاب، لاہور : شیخ حسن علی (کاتب) : ۱۱۳۰ھ۔

(فہرستِ مشترک : ص ۱۵۴۹)

سراج الہدایہ : احمد حسین احمد قلعداری، گجرات : نستعلیق شکستہ آمیز : فقیر محمد حسن بن میاں غلام حسن (کاتب) : ۲۰۔ صفر ۱۲۴۷ھ : ۲۸۸ص۔

(فہرستِ مشترک : ص ۱۵۴۹)

سراج الہدایہ : کتاب خانۂ رشیدیہ، اردو بازار، لاہور : نستعلیق و نسخ : فیروز دین بن ملا فیض محمد اچک زئی : ۷۔ ذی الحج ۱۲۵٦ھ : ۳۵٦ ص۔

(فہرستِ مشترک : ص ۱۵۴۹)

سراج الہدایہ : کتاب خانہ الریاض، لاہور : ناقص الاول و آخر : ۱۸۹ برگ۔

(فہرستِ مشترک : ص ۱۵۴۹)

یادداشت : ڈاکٹر ریاض الاسلام نے اپنے ایک انگریزی مقالے میں لکھا ہے : ''مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لٹن لائبریری میں سراج الہدایہ کا بھی ایک نسخہ ہے''۔ (مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے ملفوظات۔ اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری : ماہ نامہ آستانۂ زکریا، ملتان : جنوری فروری ۱۹٦۱ء : ص ۵۳)

(تفصیل کے لیے دیکھیے : کتابیاتِ ملفوظاتِ مشائخِ چشتیہ (عبدالعزیز ساحر) :

تصفیہ، کاکوری، لکھنؤ : جنوری تا دسمبر ۲۰۱۸ء)

۲۔ اس مجموعے کا مکمل نام خلاصۃ الالفاظ و جامع العلوم ہے، لیکن فاضل مدون نے محض اس کا معروف اور مختصر نام ہی استعمال کیا ہے۔ پاکستان میں بھی اس مجموعے کی ترتیب و تہذیب ہوئی ہے۔ اس انتقادی ایڈیشن کے اشاعتی کوائف ملاحظہ ہوں :

مقدمہ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم :ڈاکٹر غلام سرور(مرتب) : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد: ۱۹۹۲ء : ۱۴۵ص۔

خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم :ڈاکٹر غلام سرور(مرتب) : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد: ۱۹۹۲ء : ۶۰۶ص۔

۳۔ مخدوم کے احوال و ملفوظات پر مبنی حسبِ ذیل کتابیں محفوظ ہیں، لیکن قاضی سجاد حسین نے ان میں سے چند کا ذکر فرمایا۔ لگتا ہے کہ سارے مجموعے ان کے پیشِ نظر نہیں تھے :

۱۔ خلاصۃ الالفاظ و جامع العلوم : ابو عبداللہ سید علاء الدین علی بن سعد حسینی بن اشرف دہلوی (جامع)۔

۲۔ سراج الہدایہ : تاج الدین احمد برنی بن معین سیاہ پوش (جامع)۔

۳۔ مظہرِ جلالی : ناشناس (جامع)۔

۴۔ فوائد المخلصین : محمد جعفر توماسی (جامع)۔

۵۔ جواہرِ جلالی، خزانۂ جلالی، خزانۂ جواہرِ جلالی : فضل اللہ بن ضیاء العباسی (جامع)۔

۶۔ خزانۃ الفوائد الجلالیہ : احمد المدعو بہ بہاء بن یعقوب بن حسین بن محمود بن سلیمان تلنبی (جامع)۔

۷۔ تحفۃ السرائر : فخر محمد غزنوی (جامع)۔

۸۔ مناقبِ مخدومِ جہاں : ناشناس (جامع)۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے : کتابیاتِ ملفوظاتِ مشائخ چشتیہ (عبدالعزیز ساحر) :

تصفیہ، کاکوری، لکھنؤ: جنوری تا دسمبر ۲۰۱۸ء)

۴۔ جامع العلوم کے دس خطی نسخے موجود ہیں :

جامع العلوم : کتب خانہ مجلس شورای اسلامی : ۸۱۱۷/۱، ۲۰۸۹۶ : بوقتِ اشراق روز یکشنبہ ، ۲۹۔ رمضان ۱۰۴۸ھ : کاتب فیروز بن محمد : ۲۵۲ص۔

یادداشت : ابتدائی چھے صفحات نہیں ہیں۔ آخری صفحہ بھی کٹا پھٹا ہے۔ ترقیمہ ہے، مگر مکمل قابلِ خواندگی نہیں ہے۔ نسخہ آب دیدہ ہے۔ راقم کے ذخیرے میں اس کا عکس محفوظ ہے۔

جامع العلوم : مملوکہ مخدوم نوبہار شاہ سجادہ نشین اُچ شریف : ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص۱۸۸)

جامع العلوم : خطی نسخہ مملوکہ کتب خانۂ مرکزی، حیدر آباد دکن : نمبر۸۳۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص۱۸۸)

جامع العلوم : خطی نسخہ مملوکہ کتب خانۂ رضا، رامپور : ۲۰۵، اوراق : نمبر۱۰۵۶۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص۱۸۸)

جامع العلوم : خطی نسخہ مملوکہ کتب خانۂ رضا، رامپور : نمبر۱۰۵۷ : ناقص الطرفین۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص۱۸۹)

جامع العلوم : خطی نسخہ مملوکہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ : نستعلیق جلی : ۱۱۱۴ھ/مکتوبہ ۱۷۰۲ء۔

(بحوالہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت : ص۱۸۹)

جامع العلوم : جامعہ غوثیہ مظہر الاسلام، بھابڑا بازار، راولپنڈی : نستعلیق پختہ : سدۂ ۱۲ھ : ۱۳۷ص۔

(فہرستِ مشترک : ص۱۳۸)

جامع العلوم : مدرسہ علوم المرتضیٰ، بھلوال، سرگودھا : نسعلیق : غلام حسین ساکن کروت : رجب ۱۱۸۲ھ : ۱۷۲ص۔

(فہرستِ مشترک : ص۱۳۸۲)

جامع العلوم : مبارک اردو لائبریری، صادق آباد : نستعلیق پختہ : سدۂ ۱۲-۱۳ھ : ۸۰ص۔

(فہرستِ مشترک : ص۱۳۸۲)

جامع العلوم : مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ : آر این ۲۷۲۸۔

(بحوالہ : آن لائن کیٹالاگ، ہینڈلسٹ آف مینوسکرپٹس : رئیس احمد خان (مرتب) تفصیل کے لیے دیکھیے : کتابیاتِ ملفوظاتِ مشائخِ چشتیہ (عبدالعزیز ساحر) (تصفیہ، کاکوری، لکھنؤ: جنوری تا دسمبر ۲۰۱۸ء)

سلطان باھو کا نظریہ وحدۃ المقصود

ڈاکٹر ساغر ابڑو، صوفی قادری سروری

کئی صدیوں تک اسلامی دنیا میں صوفیاء کرام اور متصوفین حضرات "وحدۃ الوجود" اور "وحدۃ الشھود" کے مباحث میں لجھے رہے اور اسی نظری بحث میں " نقشبندیہ مجددیہ "سلسلے اور دوسرے سلاسل ہائے صوفیت میں ایک لمبی چوڑی خلیج حائل ہوگئی۔ حالاں کہ مجدد صاحب نے اپنی حیات میں ہی شیخ اکبر کی حقانیت کو تسلیم کرلیا تھا اور مکتوبات میں ہی یہ لکھا ہے کہ وحدۃ الوجود زیادہ معتبر نظریہ ہے۔ لیکن نقشبندیہ مجددیہ نے اس مکتوب کو دَرِ خورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا جب کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا کئی بار تذکرہ کیا ہے اور دونوں مکاتیبِ صوفیت میں تطبیق کی بہترین کوشش کی ہے۔ یہ دونوں نظریات صوفیت کے فلسفے کے متعلق ہیں اور ایک لفظی نزاع کی صورت ہیں۔

ایک صوفی کی عملی زندگی اور سماجی ڈھانچے پہ ان کے اثرات بلکل ایک دوسرے کے متصادم ہیں۔ صوفیت جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ ایک اعلیٰ شعوری تحریک ہے جس کا کام غافل انسانیت کو بیدار کرنا ہے اور صوفیت تین شعبہ ہائے زندگی پر مشتمل ہے۔

۱: روحانیت --۱۰ فیصد ۲: علم و فلسفہ--۴۰فیصد ۳:- عمل ،اطلاق--۵۰فیصد

سخی سلطان باہوؒ (۱۶۲۹ء – ۱۶۹۱ء) نے اپنے کلام ، پیام ، حیات و عمل کے ذریعے ایک نئے صوفی مکتب / نظریے کی داغ بیل ڈالی جس کو وحدت المقصود کہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ نظریہ پہلے موجود نہیں تھا یا یہ کوئی سلطان صاحب کی اختراع ہے بل کہ اس کی نظری و عملی جھلکیاں سب بڑے صوفیہ جیسے بابا فرید، شمس تبریز، خواجہ نظام الدین شمس الدین ملتانی بیدری، میراں محمد محمدی جونپوری وغیرہما کی زندگیوں میں نظر آتی ہے۔ سلطان باہو نے صرف ان چیزوں کو ایک جگہ جمع کیا، صیقل کیا، اپنے حلقے میں رائج کیا اور ان سے نتائج لئے۔ اس کے بعد اس کو ایک مکتب / نظریہ کی شکل دی۔

وحدت المقصود کی اصطلاح بھی سلطان صاحب نے خود استعمال نہیں کی لیکن ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے اس لئے

سلطانی باغ کے چند پھولوں اور میرے جیسے خاروں نے اس کو وحدت المقصود کا نام دیا۔ اکیسویں صدی میں انسان کو فلسفیانہ صوفیت کی اتنی ضرورت نہیں رہی جتنی اخلاقی صوفیت کی ہے اور وحدت المقصود کے زیادہ تر مباحث اخلاقی صوفیت سے متعلق ہیں۔

ہم اوپر دو متبدل قائموں کا تذکرہ کر کے آئے ہیں اور وحدت المقصود ان ہی پر زیادہ زور دیتی ہے۔ عام طور پر معاشرے میں صوفیہ کو غیر عمل پسند، فراریت پسند، آلسی، غیر ذمہ دار اور کھسکا ہوا سمجھا جاتا ہے۔ مے خانے / خانقاہ اور درگاہ سے لوگ اپنے بچوں دور رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں سائنس و ٹیکنالوجی کو مقامی و قدیمی صوفیت سے بہتر سمجھا جارہا ہے اور عامی لوگ تو مذہب کی فرقہ پرست حیثیت میں ہی کولھو کے بیل کی طرح جُتی ہوئی زندگی گذارنے پر قانع ہیں۔ کروڑوں لوگ سوتے سوتے زندگی گذار کے مرے جا رہے ہیں لیکن جاگنے کو تیار نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ صوفیت جگانے کا کام کر بھی نہیں رہی۔

وحدت المقصود کے مطابق فلسفیانہ موشگافیوں، مذہبی فرقہ بندی اور خیالی پروازوں کے قطع نظر صوفیت انفرادی اور اجتماعی ترقی و خوشی لانے والا مکتب ہے اور اس سے وابستہ لوگ اس کے سب زیادہ حقدار ہیں کیوں کہ بھوکا آدمی خدا سے بھی لڑنے کو تیار رہے اور کوئی بھی بھوکا، بیمار اور تنگدست صرف ذکر، مراقبہ اور چلے سے حقیقت مطلقہ سے رابطہ استوار نہیں کر سکتا۔

دوسرا یہ کہ جاہل کبھی صوفی نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے علم و آگہی اور شعور کی ضرورت ہے۔ یہ علم مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹی سے نہیں ملتا بل کہ کاملانِ حق و صوفیۂ مطلق کی صحبت میں ملتا ہے۔

اس بنیاد پر چمن، سلطانی کے اس خار کا کہنا ہے کہ "آج کی صوفیت کا بحث وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشھود نہیں بل کہ وحدۃ المقصود ہے۔ سارے صوفیہ کا واحد مقصد ہے اپنی ذات کی ارتقا کے ساتھ اپنے ماحول میں موجود انسانوں اور دوسرے تخلیقی مظاہر کی علمی، فکری، نفسیاتی، ماحولیاتی، معاشی، سیاسی، صنعتی، سائنسی، جسمانی و روحانی ترقی۔ اگر آج صوفیت اس مقصد کے حاصلات کے لئے معاون ثابت نہیں ہوتی تو اسے صوفیت ہی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔"

سلطان صاحب فرماتے ہیں۔

کامل مرشد ایہڑا ہووے جہیڑا دو جگ خوشی دکھاوے ہو

اول غم ٹکڑے دا میٹے پچھے رب دا راہ بتاوے ہو

کلر والی کندھی نوں چا چاندی خاص بناوے ہو

جس مرشد ادھ کجھ نہ کیتا کوڑے لارے لاوے ہو

علموں باجھ جے فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہو

وسے ورہیاں دی کرے عبادت اللہ توں بیگانہ ہو

غفلت تھیں نہ کھلسن پردے دل جاہل بت خانا ہو

میں قربان تنہاں توں جنہاں ملیا یار یگانہ ہو

وحدت المقصود کے مطابق صوفی کے روحانی سلوک کی اعلیٰ منزل مجلسِ محمدیؐ میں حاضری ہے اور بقدر عنایت محنت اس کو وہاں ایک مخصوص مقام و عہدہ دیا جاتا ہے جو ظاہر دنیا میں بھی تصرف کر سکتا ہے۔ مجلسِ محمدیؐ سے غیر حاضر صوفی کسی کام کا نہیں صرف نام کا ہے۔

اب جب سالک وحدۃ المقصود کے حاصلات کے لئے راہِ حق کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس کے سامنے دو بڑی رکاوٹیں آتی ہیں جن سے اس کو ہوشیار رہنا ہے اور خود کو بچائے رکھنا ہے ورنہ وہ کبھی منزل نہیں پا سکے گا۔۔

(۱) جعلی مرشد (۲) فرقہ پرست علماءِ سُو

صوفیہ کو سب سے زیادہ نقصان نام نہاد جعلی اور لباسی پیروں، مرشدوں اور صوفیہ نے پہنچایا ہے۔ وہ صرف دولت،

شہرت اور شہوت کی خاطر اپنی دکانیں سجا کر بیٹھے ہیں اور سچے سالکوں سے ان کی ساری متاع چھین لیتے ہیں اور ان کی سب محنت ضائع کر دیتے ہیں۔ سلطان صاحب فرماتے ہیں۔

آپ نہ طالب ہین کہیں دے لوکاں طالب کردے ہُو

چاون کھیپاں کردے سیپاں، نا رب دے قہروں ڈردے ہُو

عِشق مجازی تلکن بازی پیر اوتے دھردے ہُو

اوہ شرمندے ہوسن باہو اندر روز حشر دے ہو

دل دریا سمندروں ڈونگھے، غوطہ مار غواصی ہو

جیں دریا وَنج نوش نہ کیتا، رہندی جان پیاسی ہو

ہر دَم نال اللہ دے رکھن، ذِکر فکر دے آسی ہو

اُس مرشد تھیں زَن بہتر باہو، جو پہند فریب لباسی ہو

پیر ملے تے پیڑ نہ جاوے تاں اس پیر کی دھرنا ہو

مرشد ملیاں رشد نہ من نوں اوہ مرشد کی کرنا ہو

ایسے جعلی شعبدے باز اور لباس مرشد، راہبر کی شکل میں اصل میں راہزن ہیں اور اس وقت معاشرے میں اکثریت انہی کی ہے۔ ان سے خود کو بچا کے چلنا ہے۔ دوسری رکاوٹ فرقہ پرست، دولت اور ہوس کے پجاری علماء سو ہیں جو ہمیشہ سے لوگوں کو وحدت اور صوفیت سے متنفر کرتے آئے ہیں۔ یہ حقیقت سے بے بہرہ لوگ صرف پیٹ کے لئے

پڑھتے اور وعظ کرتے ہیں اور لوگوں کو فقر والیٰ اللہ کے مقابل فقر و من اللہ کا راستہ دکھاتے ہیں۔ صوفیت کو کفر و بدعت قرار دیتے ہیں اور سیدھے سادھے عام لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر آخر خودکش بمبار تک بنا دیتے ہیں۔ ان کے لئے سلطان صاحب فرماتے ہیں۔

مذہباں دے دروازے اچے راہ ربانا موری ہو

پنڈت تے ملواڑے کولوں چھپ چھپ لنگھے چوری ہو

اڈیاں مارن کرن بکھیڑے دردمنداں دے کھوری ہو

باہوؔ چل ادھائی وسیے دعوا نہ جتھ ہوری ہو

پڑھ پڑھ عالم کرن تکبر حافظ کرن وڈائی ہُو

گلیاں دے وچ پھرن نمانے بغل کتاباں چائی ہُو

جتھے ویکھن چنگا چوکھا پڑھن کلام سوائی ہُو

جتھے ویکھن روکھی سوکھی پڑھدے اکھر اڈھائی ہُو

دوہیں جہانیں مُٹھے باہُو کھادی ویچ کمائی ہُو

ناں میں سُنّی نہ میں شیعہ میرا دوہاں توں دل سڑیا ہو

مُک گئے سب خشکی دے پینڈے دریا وحدت وڑیا ہُو

کئی منتارے ترتر ہارے کوئی کنارے چڑھیا ہُو

صحیح سلامت پار گئے جنہاں مرشد دالڑ پھڑیا ہُو

وحدت المقصود کا ایک ہی مقصود ہے. جس سے سارے مقاصد پورے ہوتے ہیں اور وہ ہے لا مقصود الا ہو!

اس لئے سلطان صاحب نے اپنے سلسلے میں چلے، مراقبے، اشغال و اعمال سے زیادہ اسم ذات کے مشاہدے اور رقم کرنے پر زور دیا یعنی مشق مرقوم وجودیہ اور یہ بھی کہا کہ ادھر اُدھر پھرنے اور تلاش کرنے میں ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ استمداد من اہل قبور کا راستہ اختیار کرو اور فیض و امدادِ حقانی حاصل کرو۔

آج جس از حد مادی، لادینی، اور لاشعوری زمانے سے ہم گذر رہے ہیں اس میں وحدت المقصود ہی ایک آسان اور قابلِ عمل مکتبۂ فکر ہے جو روایتوں کا امین بھی ہے اور ندرت کا شاہکار بھی۔ سلطان صاحب کا یہ نظریہ سارے سلاسل ہائے صوفیت کے سالکوں کے لئے ہے جو اپنے ساتھ اور مظاہرِ تخلیق کی آسانیاں، ترقی و بقا چاہتے ہیں۔ وحدت المقصود ہی ساری سماجی، معاشی، معاشی و سیاسی اور روحانی ابتری کا ایک قابل، عمل حل پتا کرتا ہے۔ امتِ محمدیؐ و عالمِ انسانیت اس پیغام پر عمل پیرا ہو کر دنیا کو ہی جنت بنا سکتے ہیں۔

بابا گرو نانک کا مذہب ایک جائزہ

محمد عثمان علی کاشمیری

کسی بھی انسانی معاشرے میں عقیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیوں کہ عقائد کی روشنی میں جملہ شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ایک عملی نظام تشکیل پاتا ہے اور یہی نظام کسی معاشرے میں اس مذہب کی شناخت کا سبب بنتا ہے۔ سکھ مذہب کی توحید پرستی اسلام اور ہندو مت کے بین بین ہے۔ خدا کی ذات کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ گرنتھ صاحب (سکھ مذہب کی مقدس کتاب) میں دیوی دیوتاؤں کی عظمت کا اقرار بھی موجود ہے۔ چودھویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے مذہبی رجحان یعنی بھگتی مت اور مسلمانوں کے مذہبی عقائد کے گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں کچھ نئے رجحانات پیدا ہونا شروع ہوئے، اسی مخصوص مذہبی ماحول میں سکھ مذہب نے جنم لیا۔ گرو نانک نے پندرھویں صدی عیسویں میں اسلام اور ہندو مت کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے اپنے پسندیدہ نقاط لے کر ایک نئی فکر کا آغاز کیا، سکھ مت کو گرو مت بھی کہا جاتا ہے۔

بابا گرو نانک اور سکھ مت: گرو نانک کی پیدائش ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء میں لاہور کے قریب تلونڈی میں ہوئی جو ان دنوں ننکانہ صاحب کے نام سے معروف ہے۔ گرو نانک کے والد کا نام کالوچند جب کہ والدہ کا نام ترپنا دیوی اور بیوی کا نام سُلکھشنی تھا۔ "بابا گرو نانک کی وفات ۷۰ سال کی عمر میں ۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء کو کرتارپور (پاکستان) میں ہوئی۔"

(گرو نانک، جودھ سنگھ نیشنل بک ٹرسٹ، دہلی انڈیا، ۱۹۷۴ء، ص ۱۲)

گروہ نانک کی تربیت اس وقت کے رواج کے مطابق ہندوں اور مسلمان اتالیقوں کے ہاتھوں ہوئی۔

(A history of the Sikh people" by Dr Gopal Singh, world Sikh university Asif Ali Road, Delhi, India page 35, 1979)

بابا گرو نانک ہندو مذہب سے نکلے مگر اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ قرآن مجید کی، حضورؐ کی اور اسلام کی باتوں کی تعریف کرتے ہیں لیکن کلمہ نہیں پڑھا، اسلام قبول نہیں کیا۔ کچھ ہندو تصوف، کچھ مسلم تصوف، کچھ توحید، کچھ رسمیں اور کچھ ذکر و اذکار، ان سے ایک درمیانہ سا ملغوبہ بنا دیا۔ ایک دن جب بابا نانک دریائے بیاس پر نہانے کے لئے گیا تو دریا

میں غوطہ لگانے کے تین دن کے لئے غائب ہوا، اس کے بہنوئی، بہن اور دوسرے لوگوں نے کافی تلاش کیا مگر ان کی سعی لاحاصل رہی اور تین دن کے بعد نانک خود بخود دریا کے کنارے ظہور پذیر ھوا، اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات تھے۔ "نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان"۔

(الموسوعۃ الیسرہ فی الادیان والمذاہب والاحزاب المعاصرہ ۱: ۱۴۳)

(پروفیسر رام سروف کوشل، دس گرو صاحبان، دی پنجاب سکول سپلائی ڈپو موھن لال روڈ لاھور، ۱۹۱۵ء، ص ۲۱)

اس روحانی تجربہ کے بعد نانک نے اپنی نئی فکر کی طرف دعوت دینے کا آغاز کیا اور بزعم خویش کچھ عناصر اسلام کچھ ہندومت سے اخذ کر ایک نئی فکر کی بنیاد رکھی۔ اور "ایک نئے اخلاقی مذہب کی بنیاد ڈالی۔"

(گرونانا ک سوانح عمری ھربنس سنگھ، ص ۱۳۳)

بابا نانک کے نئے ایجاد کردہ اخلاقی مذہب کو گاہے بگاہے ان کے جانشینوں نے اپنے اپنے عہد میں ترقی دینے کی انتھک سعی کی، جس کی وجہ سے آج تک اس مذہب کے نام لیوا مختلف روپوں میں موجود ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ بیلیفس کے مطابق سکھ کی تعریف "ہر وہ انسان جو دس گوروا ور گرنتھ صاحب پر یقین رکھتا ہو"

(Sikhism by Khushwant Singh, Encyclopedia Of Religions And Beliefs, V:11, Page: 309-312)

بابا گرونانک کے جانشین : بابا نانک نے اپنے بیٹوں لکھشمی اور ہری چند کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا، کیوں کہ "ہری چند اور لکھشمی بابا نانک کے ہاں باطن کی صفائی کے اس درجہ پر نہیں تھے کہ انکو جانشین مقرر کیا جاتا۔"

(کھنیالال ہندی، تاریخ پنجاب، مرتبہ کلب علی خان فائق، مجلس ترقی اردو کلب روڈ لاھور، ص ۲۳)

1، جانشین گرو انگد-2، جانشین گرو امر داس-3، جانشین گرو رام داس-4، چوتھا جانشین گرو ارجن -5، جانشین گرو ہر گوبند-6، جانشین گرو ہری رائے-7، جانشین گرو ہری کرشن-8، جانشین گرو تیغ بہادر-9، جانشین گرو گوبند سنگھ-10، گرو گرنتھ صاحب (مقدس کتاب)

سکھ مذہب کا دسواں گرو؟ : اور نگزیب کی داراشکوہ اور شجاع سے جنگ میں سکھوں نے داراشکوہ کا ساتھ دیا۔ اورنگزیب نے داراشکوہ اور شجاع کو شکست دے کر قتل کر دیا تھا اور دہلی کا اقتدار سنبھال لیا تھا۔ اس کشمکش میں سکھ چونکہ اورنگزیب کے خلاف تھے اس لیے اورنگزیب نے ان کے آٹھویں گرو رائے تیغ بہادر کو اور نگزیب نے گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ نویں گرو گوبند نے یہ فیصلہ کر دیا "کہ آئندہ سکھوں میں کوئی گرو نہ ہو گا اور ان کی کتاب گرنتھ صاحب ہی ہدایت کا کام دیتی رہے گی" اب تک گرنتھ ہی ان کا گرو ہے، اس لیے اسے گرو گرنتھ کہتے ہیں۔

(تدریس العقائد، ص ۱۷۸، پیر سائیں غلام رسول قاسمی)

دین اسلام میں رسولوں پر ایمان کی اہمیت : انبیائے کرام میں سے کسی ایک نبی کی رسالت کا انکار کرنا تمام کا انکار کرنا ہوتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے قوم نوح کے بارے میں فرمایا :

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ [الشعراء :۱۰۵]

ترجمہ : قوم نوح نے تمام رسولوں کو جھٹلایا۔

اللہ تعالی نے قوم نوح کو تمام انبیائے کرام کو جھٹلانے والا قرار دیا حالاں کہ سیدنا نوح کے زمانے میں جب انھوں نے سیدنا نوح کی تکذیب کی تھی ان کے علاوہ کوئی اور نبی تھا ہی نہیں۔ یعنی جن رسولوں کے بارے میں ہمیں ان کا نام علم ہو گیا ہے تو ان کے نام کے ساتھ ان پر ایمان لانا اور جن انبیائے کرام کا نام ذکر نہیں کیا گیا تو ان پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے، جیسے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ

رسول اس پر ایمان لائے جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوئی تھی اور اسی طرح اہل ایمان بھی ایمان لاتے ہیں سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ جیسے کہ فرمانِ باری تعالی ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً [الاحزاب :۴۰]

محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ خدا کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور خدا ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

انبیائے کرام میں سے جو نبی جس قوم کی طرف بھیجے گئے ان کی شریعت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے جب کہ گرو نانک کی تعلیمات میں اس کے برعکس ملتا ہے۔ سکھ مت میں اصل گرو خدا ہے، اس کے علاوہ خدا جسے بھیجتا ہے اسے بھی گرو کہا جاتا کیوں کہ وہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ جب کہ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں خدا کو اللہ اور دیگر صفاتی ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ کی جانب سے بھیجے ہوئے برگزیدہ ہستیوں کو نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔ سکھ مت میں پیغمبر یا نبی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ بل کہ شیطان کا بھی کوئی تصور نہیں ملتا۔ جب انسان روحانی اور دنیاوی تعاقب کے مابین توازن کھو دیتا ہے تو باطل قوتیں سر اُٹھا لیتی ہیں۔ سکھ مت کے مطابق تمام مذاہب ایک ہی منزل کی طرف لے جاتے ہیں اس لئے کسی پر تنقید جائز نہیں۔ اسی لئے گرو گرنتھ میں روحانی پیشواؤں و صوفیاء کے اشعار ملتے ہیں۔

گرو گرنتھ صاحب کی روشنی میں سکھ مت کے عقائد

[1]، **اسمائے خداوندی :** گرو نانک کا مقصد مختلف مذاہب کو خدا تعالیٰ کی توحید اور معرفت پر جمع کرنا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کے Last Holy Prophet پر ایمان لانے کا عقیدہ شامل نہیں۔ بھگت کبیر کی طرح گرو نانک بھی مختلف چشمہ ہائے فکر کے ذریعے ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں تھے۔ جس طرح بھگت کبیر نے خدا کے لیے ہری، گوبند، رام، اللہ، رحمان اور رحیم کے الفاظ کا بے تکلف استعمال کیا ہے۔ بعینہ گرو نانک نے بھی خدا کو ایسے ہی ناموں سے پکارا ان میں سے کچھ ہندی روایات سے ماخوذ ہیں اور کچھ مسلم روایات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ بابا نانک نے کبیر کا کلام بھی حاصل کیا اور اپنی فکر کی طرف دعوت دینے کا ذریعہ بنایا۔

[1]، گرو گرنتھ (سکھ مذہب کی مقدس کتاب) میں گرو نانک نے خدا کے لئے کئی نام ذکر کئے مثلاً ہری، گوبند، موہن کرنہار، اللہ، خدا، رحیم، رب ست کرتار اور ستنام وغیرہ۔

[2]، ہندو مذہب کی طرح سکھ مت میں بھی "فلسفہ اوتار" پایا جاتا ہے۔ یعنی خدا انسانوں اور مختلف جانوروں کی شکل میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ گرو گرنتھ میں ایسے اشعار موجود ہیں جو اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں جن میں سری کرشن اور رام چندر کو الوہیت کا درجہ دیا گیا ہے۔ گروہ گرنتھ کے شبدوں میں اوتاروں کی مدح سرائی کرنے کے ساتھ ساتھ رام چندر اور سری کرشن کے گیت بھی گائے گئے ہیں مثلاً

دھن دھنن اور رام بین باجے مدھر مدھر دھن انہت گاجے

دھن دھن میگھا روما ولی دھن دھن کرشن اوڑھے کانبلی

ترجمہ: ہر جگہ پر رام چندر اور سری کرشن کا چرچا ہے۔ دنیا میں انھی کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ دنیا ان کو تسلیم کر چکی ہے۔

(Gurū Granth Ṣāḥib, Rāg Mālī Goṛā, Bānī Bhagat Nāmdeo,988)

[3]، **خدا کا سروپ:** گرنتھ صاحب خدا تعالیٰ کا سروپ (شکل و شباہت) بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس میں خدا کی ایسی صفات کو بیان کیا گیا ہے جو کہ انسانوں کا خاصا ہیں۔ مثلاً ترلاجیانی آپ بھانی اپچھ من کی پورر ہیۓ سارنگ جینوپگ دھرے ٹھم ٹھم آپ آپ سندھور ہیۓ

(Guru Granth Ṣāḥib Waḍ Hans Maḥallah1:567)

اسلام اور سکھ مت میں اختلافات

[1]، اسلام میں ذبیحہ جائز ہے جب کہ سکھ مت میں ممنوع ہے۔

[2]، اسلام میں ختنہ مشروع ہے جب کہ سکھ مت میں ممنوع ہے۔

[3]، بغل اور زیر ناف بالوں کی صفائی اسلام میں مسنون ہے جب کہ سکھ مت میں جسم کے کسی بھی مقام کے بالوں کا نہ کاٹنا مستحب ہے۔

4، پانچ ککار (۱) کیش (بال) (۲) کنگھا (۳) کڑا (٤) کرپان (خنجر) (٥) کچھیرا (کچھا) "٥ککار سکھ مت میں لازمی ہے، جب کہ اسلام میں اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔"

(History Of The Sikhs Khushwant Singh Vol. 1, p79)

5، اگرچہ سکھ دھرم میں جنت و دوزخ اور جزاو سزا کا تصور موجود ہے لیکن اسلام کے نظریہ کی طرح واضح نہیں ہے۔ بل کہ ہندومت کے عقیدہ تناسخ کے قریب تر ہے دیکھیے

(Guru Granth (English version) by Dr Gopal Singh, page: XLIII, published by India Prakash,

Barakhamba road New Delhi, 10th edition (1996)

تناسخ : کسی شخص کے انتقال کے بعد اُس کی روح کا اُس کے بدن سے نکل کر کسی دوسرے جسم میں منتقل ہو کر اُسی طرح جسم کے ساتھ تصرُّف کا تعلق قائم کرلینا، جیسا پہلے جسم کے ساتھ تھا، یہ عربی میں "تَنَاسُخ" اور ہندی میں "آواگون" کہلاتا ہے۔

جب کہ محققین کے نزدیک "گرو نانک تناسخ کے قائل تھے" اسی موقف کو مرجع العلماء شیخ الحدیث و التفسیر علامہ پیر سائیں غلام رسول قاسمی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی کتاب تدریس العقائد صفحہ ۱۷۸ پر ذکر کیا۔

سوال : کیا گرو نانک مسلمان تھا؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "گورو نانک توحید و رسالت اور نماز روزہ کے بھی قائل تھے۔ گرو نانک پنجاب کے بہت سارے صوفیاء رحمہم اللہ کے مزارات پر جاتے رہے، ایک مسلمان کی طرح حج پر بھی گئے، حج سے واپسی پر ایک گاؤں کی بنیاد رکھی جس کا نام کرتار پور ہے اور پھر اسی گاؤں میں رہائش پذیر ہو گئے، اپنے ایک مرید کو اپنا جانشین گرو مقرر کر کے فوت ہو گئے۔ انہی وجوہات کی بنا پر بعض مسلمان ان کی زندگی میں ہی انھیں مسلمان سمجھتے تھے۔"

(تدریس العقائد، ص ۱۷۲، پیر سائیں غلام رسول قاسمی)

بر صغیر خصوصاً پاکستان میں ایک تاثر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ نانک مسلم صوفیاء کرام سے متاثر تھے چونکہ ان کا کلام سکھ مذہب کی مقدس کتاب میں بھی ملتا ہے اس وجہ سے نانک کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

البتہ بعض محققین کی رائے یہ ضرور ملتی ہے کہ "نانک پہلے مسلمان تھے لیکن بعد میں اپنے نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔"

(الموسوعۃ الیسرہ فی الادیان والمذاہب والاحزاب المعاصرہ ا: ١٤٣)

یہ رائے مسلم صوفیاء سے عقیدت کی وجہ سے پروان چڑھی جب کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر بحوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ نانک نماز کے بارے میں کہتے ہیں :

"Thou Sayest Thy Prayers Five Times Giving Them Five Names"

(Guru Granth Sahib:132)

"تم اپنی نمازیں پانچ وقت پڑھتے ہو اور اسے پانچ نام دیتے ہو"۔

سلطان پور کے قاضی صاحب نے جب نانک کو" نہ میں ہندو نہ میں مسلمان "کے نعرہ بلند کرنے پر طلب فرمایا تو نماز سے متعلق سوال کے جواب میں نانک نے کہا "میں بھی پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہوں (1) ایک سچ کی (2) دوسری حق حلال کی کمائی کی (3) تیسری خدا کے فضل و کرم کی (4) چوتھی نیت و ایمانداری کی (5) پانچویں خدا کی حقیقی یاد کی ان سے عظیم تر کوئی نماز نہیں ہو سکتی۔

دوسری طرف سکھ مذہب کی مقدس کتاب "گرو گرنتھ صاحب'' جسے سکھوں میں زندہ گرو کا درجہ حاصل ہے، میں بھی بابا فریدؒ، بھگت کبیر، اور بھاٹوں کا کلام شامل ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مشہور سکھ مورخ "گیانی گیان سنگھ جی" کا یہ بیان ہے ""کہ گورو گرنتھ صاحب میں مندرجہ ذیل غیر سکھ صاحبان کے نام بہ طور بانی بھی درج ہے۔ کبیر، فرید، نام دیو، دھنا سین، پیپا، روداس، میراں بائی، سورداس، بینی، ترلوچن، جے دیو، رامانند، اور سترہ بھاٹ، ستا بل ونڈ، سندر جامل، جھال، پتنگ، سمن، موسن، ایشر، گورکھ، بھرتری، گھپی چند، اور عالم۔ یعنی کل 51 اشخاص کا کلام گورو گرنتھ صاحب میں تسلیم کیا گیا ہے۔"

(گرو گرنتھ صاحب اور اسلام، ابوالامان امرتسری، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۰ ایڈیشن)

کبیر کے کلام میں توحید، بھگتی، پریم، ہندو مسلم آپسی بھائی چارہ، مذہبی رواداری اور مشترکہ تہذیبی روایت وغیرہ کا ذکر جگہ جگہ ملتا ہے۔ وہ ایک خدا کی وحدانیت پر زور دیتے ہیں جو اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ کبیر کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

پوتھی پڑھ پڑھ جگ موا، پنڈت بھیا نہ کوئے

ڈھائی اکشر پریم کا جو پڑھے سو پنڈت ہوئے

(کبیر صاحب۔ موہن لال زتشی (پنڈت) ہندوستانی اکادمی، الہ آباد، یوپی۔ ۱۹۳۰ء)

اگر برصغیر کے نیم محققین کا اصول لیا جائے کہ تصوّف کی طرف مائل ہونے / مسلم صوفیاء کرام سے متاثر ہونے کی بنیاد پر کسی کو مسلمان قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر بابا گرو نانک ہی کیوں ؟ بھگت کبیر بدرجہ اولی مسلمان قرار پائے گا۔ نیز بھگتی تحریک کے دیگر رہنماؤں رامانند، چیتنیا، سورداس اور ولبھ اچاریہ کے بارے کیا خیال ؟

جن کتب میں گرو نانک کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ان کا بنیادی مسئلہ یہ ہے نانک کے پیغام کو محدود کر کے خصوصاً اسلام کے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً یوسف مثالی کی کتاب "بلھا، باہو، بھگت کبیر" جسے 'مشتاق بک کارنر' نے شائع کیا، بابا گرو نانک کو مسلم ثابت کرنے کی ایک اور کوشش "بت شکن گرو نانک" نامی کتاب جس کے مصنف "خواجہ محمد عبداللہ ابن عبدہ" اور "افضال حیدر" کی کتاب "بابا نانک" میں بھی کی گئی۔

خلاصہ : "گرو نانک کا عقیدہ تناسخ، خود ہی اپنے آپ کو مسلمان نہ ماننا، بعد والوں کا قرآن کے بجائے گرنتھ کو مقدس کتاب ہدایت سمجھنا، اپنی عبادت گاہ کو ہری مندر کہنا وغیرہ اس بات کا واضح اعلان ہے کہ یہ لوگ مسلمان نہیں بل کہ خود بھی اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتے۔"

(تدریس العقائد، ص، ۱۷۹، پیر سائیں غلام رسول قاسمی)

تحفۃ المرسلہ کا مصنف کون؟

محمد امجد جاوید-یوکے

آپ شیخ ابو سعید مبارک بن شیخ علی بن حسین بن بندور الحزمی، ابو سعید مبارک المخزومی، مبارک بن علی مخزومی، ابو سعد المبارک اور قاضی ابو سعد المبارک المخزومی کے ناموں سے جانے جاتے ہیں۔

شیخ ابن رجب حنبلی (٧٩٥ھ) نے طبقات حنابلہ میں آپ کا ذِکر اس طرح کیا ہے۔ المبارک بن علی بن الحسین بن بندور الحزمی۔

پیدائش اور تعلیم و تعلم : آپ ماہ رجب ۴۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ جب کہ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲ رجب ۴۰۳ھ /جنوری ۱۰۱۳ء بھی ذِکر کی گئی ہے جو کہ درست معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ہکار (ہنکار) جو موصل کا ایک قصبہ ہے اس میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں کوئی معلومات نہیں مل سکی۔ لیکن اُس وقت کے نظامِ تعلیم کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم اُن کی گھر پر ہی ہوئی یا پھر مقامی مدرسہ میں کیوں کہ اُس وقت دیہات وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے مدارس ہوتے تھے جہاں بچے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہاں سے فراغت کے بعد بڑے مدارس کا رخ کرتے جو کہ بڑے شہروں میں ہوتے۔ جیسا کہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی اور اُن کے بھائی خواجہ احمد غزالی نے اسی طرح حضور غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی نے ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیئے بغداد کا رخ کیا۔ اسی طرح حضرت ابو سعید مبارک نے بھی تعلیم حاصل کی۔

علامہ ابن رجب نے حدیث وفقہ میں آپ کے اساتذہ کا ذِکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ آپ نے حدیث کی سماعت قاضی ابو یعلیٰ، ابو الحسین بن المہتدی، ابو جعفر بن الملۃ، جابر بن یاسین، الصریفینی، ابن المامون اور ابن النقور سے کی۔ ابتدائی فقہ آپ نے قاضی ابو یعلیٰ سے حاصل کی۔ پھر آپ کے ساتھی ابو جعفر سے فقہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی پھر اور بعد میں قاضی ابو یعقوب البرزبینی کی خدمت میں تکمیل کی۔

آپ ایک بہترین مدرس، مفتی اور مناظر بھی تھے۔ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں کہ آپ نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ اس سے پہلے کسی کے پاس اس کی مثل نہیں دیکھی یعنی آپ کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ اس کے بعد محکمہ قضاء میں

نائب قاضی کے عہدے پر آپ کا تقرر ہوا۔ آپ حُسن خلق میں بے مثل، راہ طریقت کے بہت ہی اعلیٰ شناور اور بحیثیت قاضی درست فیصلے کرنے والے تھے۔ آپ کو خلافت شیخ ابو الحسن علی القرشی المکاری سے تھی۔ آپ نے بغداد کے باب الارج میں ایک مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی تھی جس میں آپ خود پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے محکمہ قضاء کو چھوڑ دیا۔

محکمہ دیوان میں بھی وقف زمین کا حساب کِتاب رکھنے پر آپ کو وکیل بنایا گیا۔ آپ مال کی ادائیگی بھی کرتے تھے۔ شیخ ابو الحسن دامغانی کی خدمت میں بھی ۸۹ سال کی عمر میں حاضری دی۔ افادہ و استفادہ کے لئے یہ بات یاد رہے کہ آپ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی کے استاد ہیں اور روحانیت میں پیر و مرشد۔ آپ کو اجازت خرقہ خلافت حضرت مبارک مخزمی ہی سے ملا ہے۔ گویا کہ حضرت غوث الاعظم کی تربیت آپ نے ہی فرمائی اور اپنے تمام خلفاء میں سے شیخ عبد القادر جیلانی کو منتخب فرمایا۔

آپ نے اپنی زندگی ہی میں مدرسہ باب الارج حضرت غوث الاعظم کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت غوث الاعظم نے بعد میں اس مدرسہ کی توسیع بھی کی اور وہاں سکونت بھی اختیار فرمائی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس استاد کا شاگرد غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی جیسا ہو اس استاد کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ آج تک وہ مدرسہ اور جگہ حضرت غوث اعظم کی طرف منسوب ہے۔ بڑے بڑے مشائخ تصوف، علماء و فضلاء، امراء و رؤسا اور مشائخ حدیث مخزمی محلہ کی آبادی میں ہوئے ہیں۔

حضرت مبارک مخزمی نے ۱۲ محرم الحرام ۵۱۳ھ بہ مطابق جولائی ۱۱۱۹ء میں وصال فرمایا اور آپ کو ابو بکر الخلال کے ایک طرف امام احمد بن حنبل کے پائنی کی جانب دفن کیا گیا۔ شیخ ابو الحسین (یہ آپ کے ہم جماعت ہیں) کہ آپ نے ۱۲ محرم جمعۃ المبارک کی رات کو وصال فرمایا اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے آپ کو دفن کیا گیا۔ اور چند مرتبہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

یہاں ایک غلطی کا ازالہ کر دوں وہ یہ کہ المخزومی کی نسبت سے معروف ہیں۔ یہ تحفہ مرسلہ کے تمام تراجم یا متن جن میں آپ کا نام ذِکر کیا گیا ہے وہاں المخزومی ہی درج ہے۔ جب کہ صحیح المخرمی ہے۔ را کی کرہ (زیر) سے ہے۔ بغداد کی

مشرقی جانب ایک محلہ تھا جس جگہ یزید بن مخزِم کی اولاد میں سے کوئی آکر رہائش پذیر ہوا تو اس کے نام سے اس محلے کا نام پڑگیا۔ اُسی محلہ مخزِم کی طرف آپ کی نسبت کی وجہ سے المخزِمی کہتے ہیں۔ امام منذری نے بھی اِسی طرح ذِکر کیا ہے۔ مخزومی آپ کو قریش کے قبیلہ بنی مخزوم کی نسبت سے بھی کہا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔

نام : محمد بن فضل اللہ بن صدرالدین الہندی الجونپوری ثم برہان پوری۔

(ہدیۃ العارفین ٢/ ٢٣١، نزہۃ الخواطر ٥/ ٣٦٢، الاعلام للزرکلی ٧/ ٢٢٣، بحوالہ اتحاف الذکی)

مترجم تحفہ مرسلہ سید محمد فاروق القادری نے آپ کا نام ابو سعید شیخ محمد مبارک بن علی فضل اللہ بن رضی الدین ابی خالد بن مہران الطوسی ذکر کیا ہے۔

پیدائش : آپ کی ولادت برہانپور گجرات انڈیا میں ہوئی۔ آپ ابھی کم عمر ہی تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ عربی کا مشہور مقولہ (من سعد سعد فی بطن امه) آپ پیدا ہی سعید ہوئے تھے۔ بچپن سے ہی تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ مقامی طور پر آپ نے اپنی تعلیم مکمل کی اور حصول علم کے بعد شیخ صفی الدین گجراتی سے خرقہ پہنا۔

بعدہ آپ حرمین الشریفین کی زیارت کو گئے اور وہاں آپ نے کئی سال قیام فرمایا اور ایک عرصہ تک محدث ہندی شیخ علی بن حسام الدین متقی جونپوری (٩٧٥ھ) کی صحبت میں رہ کر ان سے حدیث میں استفادہ فرمایا اور ساتھ ساتھ دوسرے فیوض و برکات بھی حاصل کیے۔

اس کے بعد واپس احمد آباد گجرات تشریف لائے۔ یہاں آکر آپ نے شادی کی اور گجرات کے مشہور عالم ربانی، قطب صمدانی حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی (٩٧٨ھ بہ مطابق ١٥٧٠ء) کی صحبت اختیار کی۔ آپ ان کی خدمت میں بارہ سال رہے اور علوم و معارف اور فیوض و برکات حاصل کیے۔

تصوف و روحانیت میں اجازت و خلافت آپ کو شیخ محمد ماہ پیرپوری اور ابو محمد بن خضر تمیمی سے حاصل تھی۔ شیخ ابو محمد بن خضر تمیمی کو اجازت ان کے والد سے تھی۔ اس طرح بیک واسطہ آپ اپنے والد کے بھی اجازت یافتہ مجاز و خلیفہ تھے۔

آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل، زاہد، باکمال صوفی اور متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ ملک کے طول و عرض میں اس وقت ان کی بہت شہرت تھے۔ دن بھر کے بعد اپنے نفس کا بڑی سختی سے محاسبہ کرتے اور ہر لحہ موت کے انتظار میں رہتے، اپنی ہر سانس کو آخری سانس سمجھتے تھے۔ یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔ مسئلہ وحدت الوجود کے بڑے مؤید و مددگار تھے اور اس سلسلے میں بڑی مدلل گفتگو کرنے والے تھے کہ معترض گفتگو سُن کر خاموش ہوجاتا۔

بقول تذکرہ نگار، ٩٩٩ھ میں آپ نے التحفۃ المرسلہ اِلَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھا تھا اور اس رسالہ کی شرح الحقیقۃ الموافقۃ لِلشریعۃ کے نام سے لکھی۔ کتب خانوں میں جس کا کوئی نسخہ اب نہیں ملتا۔ اِس کے علاوہ آپ نے الہدیۃ المرسلہ اِلَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الوسیلۃ اِلَی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رسالہ فی المعراج اور شرح لوائح جامی بھی تصنیف فرمائے۔ آخر عمر تک درس و تدریس اور افادہ عام کی مسند کو رونق بخشی اور ٢ رمضان المبارک ١٠٢٩ھ کو وصال فرمایا۔ مزار مبارک برہانپور میں مرجع خلائق ہے۔

تحفہ مرسلہ کے بارے میں : اب کچھ تحفہ مرسلہ کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ اس رسالہ کا انتساب شیخ ابو سعید یا سعد المخزمی کی طرف بھی ہے اور شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری طرف بھی۔ جو نسخے میرے پاس ہیں یا جو معلومات مجھے دستیاب ہوسکی ہیں ان کے مطابق تحفہ مرسلہ شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری کی تالیف ہے۔

(١) نسخہ نمبر ایک جو تحفہ مرسلہ پر عربی میں شیخ ابراہیم بن حسن الکولانی شافعی ترکی کی شرح ہے۔ شیخ ابراہیم فقہائے شافعیہ میں مجتہد کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ کی پیدائش ١٠٢٥ھ اور وصال ١١٠١ھ ہے۔ بہت عمدہ شرح ہے جو اندھرا پردیش انڈیا سے کتب خانہ و ادارہ تحقیق مخطوطات مشرقی کے تحت ١٩٩٦ء میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کا ترجمہ ڈاکٹر غلام محمد نے کیا ہے۔ شیخ برہانپوری کا وصال ١٠٢٩ھ میں ہوا۔ اس لحاظ سے یہ نسخہ یوں کہہ لیں کہ ان کے زمانے ہی کا ہے یا بہت ہی قریب العہد ہے۔ شیخ ابراہیم کے مطابق تحفہ مرسلہ شیخ برہانپوری کی تصنیف ہے۔ اتحاف الذکی بشرح التحفۃ المرسلہ اِلَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عربی متن بھی بیروت سے شائع ہوچکا ہے۔

(٢) نخبۃ المسالۃ بشرح التحفۃ المرسلہ لِلشیخ عبد الغنی نابلسی۔ لائبریری آف کانگریس، امریکہ۔

(٣) کتاب تحفۃ المرسلہ للشیخ یوسف التاج الخلوتی ابی الحرکاتی سنجلاوی۔ اس کا مخطوطہ لیڈن کی لائبریری میں ہے۔

(٤) المواہب المترملہ بشرح تحفۃ المرسلہ از ابراہیم السیفی ٢٠١٨ء جکارتہ، انڈونیشیا سے شائع ہوئی۔ یہ بھی برہانپوری کا رسالہ ہے۔

(٥) کتاب کشف الحجب المبسلۃ فی شرح التحفۃ المرسلۃ للامام ابی الخیر عبد الرحمن زین الدین بن ابی البرکات عبد اللہ جمال الدین العباسی البغدادی الشہیر بالسویدی۔ مصر سے ١٩١٠ء میں طبع ہوئی۔

(٦) الکلمۃ المرسلۃ فی شرح التحفۃ المرسلۃ از حضری زادہ شیخ محمد الیف آفندی۔ مطبع عماریہ، استنبول، ترکی ١٩٢٦ء

(7)The Gift To The Spirit Of The Prophet by A. H. Johns 1965 camberra آسٹرلین نیشنل یونیورسٹی 24/08/2009 Journal of Southeast Asian Studies Volume 9 Issue – 1

(8)Examining The Doctrine of Seven Gardens of Being (Maratib Sabah) in Tuhaf al Mursalah: An Overview Towards Quranic Perspective by Zuhreni AB Juwaini. Journal Llmiah Al Muashirah V- 20, No 1.جنوری، جون 2023ء

(9)The 6th Asian Graduate Forum on SouthEast Asian Studies 13 July 2013. Ismail Yahya by المواہب المترسلہ التحفۃ المرسلہ

(10)Teosofia Indonesian Journal of Islamic Mysticism Vol 11 No 1 Ru 21. Tuhfah al Mursilah ila Ruh Al Nabi. As The Source of The Doctrine Seven Gardens of Being in The Malay Indonesian Archipelago by Faudzinaim Bin Badaruddin. Centre of Research for The Theology and Philosophy Faculty of Islamic Studies, University of Keborgsaan Malaysia.

(١١) نامۂ فرہنگستان شمارہ ١٠، ١٣٩٩ش تصحیح و ترجمہ رسالۃ التحفۃ المرسلہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ت دکتر محمود رضا اسفندیار۔

(12)Journal of Malay Islamic Studies Vol 4 No 1 June 2021. The Ontology Concept in The Seven Dignity in Al Tuhfah Al Mursalah. Works of Burhanfuri al Hindi by Mirza Mehbub Wijaya & Ahmad Yousuf and Muhammad Ansari. Universities Islam Negeri Walisongo Semarang.

اردو میں تحفۃ المرسلہ کے تراجم شروحات

زبدۃ غفاریہ فی شرح تحفۃ المرسلہ از حضرت مولوی سید شاہ عبد الغفار قادری، بنگلور، انڈیا۔

ہدیہ مہدیہ شرح و اردو ترجمہ تحفہ مرسلہ از مفتی محمد اسد اللہ خان رام پوری مطبوعہ ۱۳۱۶ھ۔

الدرۃ الملتقۃ فی شرح تحفہ المرسلہ (فارسی) مولانا شاہ حافظ علی انور قلندر کاکوروی۔ اردو ترجمہ مولانا شاہ حافظ شاہ علی حیدر قلندر علوی کاکوروی۔ مطبوعہ ۱۹۲۴ء لکھنؤ۔

تحفہ المرسلہ مکتوبہ سید سردار احمد قادری ۲۷ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ۔ تحقیق و ترجمہ سید محمد فاروق القادری، ۱۹۹۸ء حافظ ملت اکیڈمی خانقاہ قادریہ بھرچونڈی، ڈہرکی ضلع سکھر سندھ طبع ہوا۔

سوا سو (۱۲۵ سال) پہلے کا مکتوبہ یہ دوسرا نسخہ اس نسخہ کی کتابت مولوی نور احمد فریدی نے ۱۳۲۷ء میں کی۔ اس نسخہ پر شیخ محمد بخش نازک کریم کا حاشیہ بھی ہے۔ محمد یونس صابری نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور ادارہ ندوۃ الاصفیا ملتان سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ اس ادارہ سے تحفہ مرسلہ کا انگلش ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ جس کا ذِکر اسی ترجمہ کے ابتدائیہ میں کیا گیا ہے۔

شرح تحفہ مرسلہ و ترجمہ از حضرت مولانا صفی احمد رضوی کا ہے۔ پہلے صرف ترجمہ اور شرح دہلی سے شائع ہوا۔ رضوی کِتاب گھر دہلی، مئی ۲۰۱۸ء۔

اب متن مع تین عدد ترجمہ اردو، فارسی، انگریزی دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے لاہور سے۔ سیرت فاؤنڈیشن ۸۵۵ سمن آباد لاہور ۲۰۲۳ء۔

Arabic Text with Javanese Poetic Version and English Translation of This Javanese Poetic Version and Arabic Text in 1965 by A. H. Johns (Published).

تحفہ المرسلہ فارسی از مولانا عبدالغفور لاری۔ میرے پاس اس کا مطبوعہ نسخہ ہے جو بہت ہی کمزور حالت میں ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر عارف نوشاہی سے بات ہوئی۔ ان کے مطابق یہ مولانا عبدالغفور عبدالملک برہانپوری کے جنھوں نے فارسی میں ترجمہ اور مختصر شرح کی ہے۔ یہ عبدالغفور لاری جو مولانا عبدالرحمٰن جامی کے شاگرد ہیں۔ ان کی شرح نہیں ہے۔ یہاں شائع کرنے والوں کو غلطی لگی ہے۔

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد دکن انڈیا میں بھی اس کا ایک مخطوطہ ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے 1086C/AM55 ترجمہ تحفۃ المرسلہ مؤلفہ شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری مع رسالہ اوراد صوفیہ رضی الدین عبدالغفور لاری شاگرد حالی (جامی) حالی غلط ہے جو کہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲۰۰ھ۔

(التحفۃ المرسلہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ صفحات ۱۲۰۔ مطبوعہ انجمن پریس کراچی ۱۹۵۷ء)

سید محمد فاروق القادری نور اللہ مرقدہ نے ترجمہ تحفہ المرسلہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "ابھی یہ کام جاری تھا کہ جرمنی سے ہمارے ایک فاضل دوست نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ میں نے جرمنی کے ایک معروف کتب خانہ میں نویں صدی ہجری کے تحریر کردہ تحفہ مرسلہ کا ایک ایسا خطی نسخہ خود دیکھا ہے جو نہایت مستند ہے اور اس پر بطور مصنف واضح طور پر حضرت مخزمی کا نام درج ہے۔ ان کے بقول یہ نسخہ علی بن حسین شامی نامی کاتب نے ۸۷۷ھ میں تحریر کیا ہے۔ فاضل موصوف نے اس کی مائیکروفلم جلدی بھجوانے کا وعدہ کیا ہے۔"

(تحفہ مرسلہ ترجمہ سید محمد فاروق القادری ایچ اے ص ۷)

کاش حضرت سید صاحب جرمنی کے اس کتب خانے کے نام سے ہی آگاہ کر دیتے۔ مجھے کوشش کے باوجود فی الحال جرمنی میں تحفہ مرسلہ کے کسی نسخے کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

آخر میں شیخ محمد بن فضل اللہ کے گھر کے چشم وچراغ کا حوالہ درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ تحفہ مرسلہ حضرت ابو سعید مبارک المخزمی کا نہیں بل کہ شیخ برہانپوری کا رسالہ ہے۔ یہ ہیں صوفی راشد برہانپوری۔ آپ کا اسم گرامی سید محمد مطیع اللہ راشد ہے۔ صوفی راشد برہانپوری کے نام سے معروف ہیں۔ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷ اپریل ۱۹۶۰ء کو وصال فرمایا۔ خود لکھتے ہیں کہ "راقم الحروف راشد شیخ محمد فضل اللہ (نائب رسول اللہ ﷺ لقب) کی اولاد نرینہ سے شجرہ نسب مربوط رکھتا ہے۔"

(انوار علمائے اہل سنت سندھ ص ۲۶۸)

آپ تحفہ مرسلہ کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت عارف کامل سید محمد بن فضل اللہ المعروف نائبِ رسول اللہ ﷺ برہانپوری جب حج کرنے گئے تو دوران حج مکہ معظمہ میں انڈونیشی علماء وحدت الوجود کے مسئلہ پر اختلاف پایا۔ آپ نے اس مسئلہ پر عربی میں مقالہ تحریر کیا اور پھر دربار نبوی ﷺ میں پیش فرما کر قبولیت درخواست کی۔ چنانچہ اس کا نام التحفۃ المرسلہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تجویز فرمایا۔ پھر جاوا اور سماٹرا تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء کو پیش کیا۔ جس پر سب نے اتفاق کیا اور باہم شیر و شکر ہو گئے۔

(ص ۲۹۰-۲۹۱، تذکرہ علمائے اہل سنت از سید محمد زین الدین شاہ راشدی۔ زاویہ پبلشرز لاہور ۲۰۰۶ء)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ شیخ محمد بن فضل اللہ کی تالیف ہے۔ بہر حال صلائے عام ہے یاران نقطہ داں کے لئے۔ اللہ کرے کہ کہیں سے تحفہ مرسلہ کا کوئی قدیم مخطوط مل جائے جو شیخ محمد بن فضل برہان پوری کے نسخے سے پہلے کا ہو تو پھر کچھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حضرت شیخ ابو سعید کا ہے یا ابو سعد مبارک بن علی مخزمی کی تالیف ہے۔

علمائے احناف پر لکھے گئے تذکرے

ابوالابدال محمد رضوان طاہر فریدی

قرآن و حدیث میں سابقہ انبیا و اقوام کے حالات بیان ہونے کے سبب مسلمانوں کا تعلق شروع سے ہی تاریخ سے جڑا ہوا ہے۔ تاریخ اور مسلمان لازم و ملزوم کی حیثیت سے ہیں۔ جب تدوین حدیث کا دور آیا تو محدثین کرام نے حدیث کے ساتھ راویان حدیث کے حالات بھی قلم بند کرنا شروع کر دیے، جو فن علم الرجال کی بنیاد کا سبب بنا۔ پھر محدثین نے اس کے اصول و ضوابط بھی وضع کیے اور اس فن کو بام عروج پر پہنچانے کے لیے سعی بلیغ سے کام لیا۔

بعد میں راویان حدیث کے ساتھ محدثین اور دیگر علما کے حالات جمع ہونے لگے، جس سے نہ صرف باقاعدہ تذکرہ نویسی کا فن وجود میں آیا بل کہ بہت سے معرکہ آراء تذکرے بھی سامنے آئے۔ پھر اس میں مزید ترقی یہ ہوئی کہ مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھنے والوں یا کسی ایک فن میں مشغول رہنے والے علما، فقہا، محدثین، مفسرین، بلغا ، شعرا وغیرہ کے تذکرے مرتب ہونے لگے۔ اسی رجحان کے سبب ائمہ اربعہ سے تعلق رکھنے والے فقہا و علما کے بھی الگ الگ تذکرے مرتب ہوئے جنھیں طبقات کے نام سے جمع کیا جانے لگا۔

معلوم تذکروں میں فقہائے احناف پر سب سے پہلا تذکرہ "طبقات الحنفیہ" کے نام سے علامہ ابی عاصم محمد بن ابراھیم بن محمد عبداللہ الھروی (متوفی ۴۵۸ھ) کا ہے۔ اس کے بعد علمائے احناف پر لکھنے کا سلسلہ ہر صدی میں رہا ہے سوائے چھٹی صدی ہجری کے۔ اس صدی میں طبقات احناف پر کسی کتاب کا ذکر نہیں ملتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ سے والہانہ قلبی تعلق ہونے اور اپنے معمولات دینی فقہ حنفی کے مطابق ادا کرنے کی وجہ سے علمائے احناف کی سیرت سے آگاہی ایک فطری رجحان ہے اور پھر تاریخ سے شغف نے بھی اس میں اضافہ کیا۔ چند سال قبل خاص علمائے احناف پر لکھی گئی کتب سے دلچسپی پیدا ہوئی تو پتا چلا کہ طبقات احناف پر جملہ کتب عربی میں ہیں سوائے "حدائق الحنفیہ" کے اور ان کتب کے کسی ایک جگہ نام بھی نہیں ملتے جب "حدائق الحنفیہ" خریدی تو اس کے مرتب خورشید احمد خان نے ڈاکٹر عبدالرشید کے ایک مضمون "طبقات الحنفیۃ و مؤلفوھا" کا ذکر کیا اور بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نے علمائے احناف پر ۳۱ کتب کے اسما گنوائے ہیں کافی تلاش و جستجو کے بعد بھی ڈاکٹر عبدالرشید کے مضمون تک رسائی نہیں ہو سکی۔

پھر خود ہی علمائے احناف پر کتب کے اسما جمع کرنے شروع کیے اور مختلف کتب کی مدد سے انھیں اس مقالے میں جمع کر دیا ہے، جن کی تعداد ٤٠ ہے۔ ڈاکٹر عبدالرشید نے ۳۱ کتب کے اسما گنوائے تھے اور جن ۹ کا ہم اضافہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں ان میں سے "البدور المضیہ، اعلام الحنفیہ اور الجواھر النقیہ" تین کتب رواں صدی میں تالیف ہوئی ہیں جب کہ دیگر کون سی ٦ کتب ڈاکٹر عبدالرشید اپنے مضمون میں نہیں لے کر آئے یہ ڈاکٹر صاحب کا مضمون دیکھنے کے بعد ہی بتا سکتے ہیں جو فی الحال ہماری دسترس میں نہیں ہے۔ خیر علمائے احناف پر کتب کے اسما مع مختصر ضروری معلومات ملاحظہ کریں جنھیں ہم نے زمانی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

۱) **طبقات الحنفیہ :** ابی عاصم محمد بن ابراہیم بن محمد عبداللہ الھروی (متوفی ٤٥٨ھ) ہماری معلومات کے مطابق علمائے احناف پر اس کتاب کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اس کتاب کا مخطوطہ آیا صوفیاء استنبول، رقم: ٩٤٨ محفوظ ہے۔

۲) **طبقات الفقھاء :** اس کے مصنف ابو محمد عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوھاب الفامی (متوفی ٥٠٠ھ) ہیں۔[1]

۳) **طبقات الفقھاء :** یہ محمد بن عبدالملک بن ابراہیم الھمدانی (متوفی ٥٢١ھ) کی تصنیف ہے۔[2] اس کتاب میں علمائے احناف کے ساتھ علمائے شوافع کے تراجم بھی موجود ہیں۔

٤) **وفیات الاعیان من مذھب النعمان :** یہ علامہ نجم الدین ابراہیم بن احمد الطرطوسی (متوفی ٧٥٨ھ) کی تصنیف ہے۔ مکتبہ ظاہریہ، دمشق میں اس کا مخطوطہ محفوظ ہے۔

٥) **کتاب فی طبقات الحنفیہ :** علمائے احناف پر یہ ایک بڑی کتاب ہے جس کے مصنف علامہ صلاح الدین عبداللہ بن محمد المھندس (متوفی ٧٦٩ھ) ہیں۔

٦) **الجواھر المضیہ فی طبقات الحنفیہ :** علامہ محی الدین عبدالقادر بن محمد بن نصر قرشی (متوفی ٧٧٥ھ) کی یہ کتاب طبقات احناف پر قدیم کتب میں پہلی کتاب ہے جو مطبوع ہے۔ حاجی خلیفہ نے طبقات احناف پر اسے متعلقاً پہلی کتاب قرار دیا ہے۔[3] جو کہ درست نہیں کیوں کہ علمائے احناف پر جس کتاب کو اولیت کا شرف حاصل ہے اس کا ذکر ہم مذکورہ بالا سطور میں کر چکے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کہہ سکتے ہیں کہ طبقات احناف پر قدیم کتب میں طبع ہونے کے سلسلہ میں اسے اولیت ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۳۳۲ھ کو دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد سے ہوئی تھی۔ اسی کی عکسی اشاعت میر محمد کتب خانہ، کراچی نے کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالفتاح الحلو کی تحقیق سے ۱۳۹۸ھ کو مطبعۃ عیسی البابی، مصر سے شائع ہوئی۔ جب کہ ایک اشاعت دار الکتب العلمیہ، بیروت کی طرف سے بھی ہو چکی ہے۔

٧) **نظم الجمان فی طبقات اصحاب امامنا النعمان :** علامہ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن ایدمر بن دقماق القاھری (متوفی ۸۰۹ھ) کی یہ کتاب تین مجلدات میں ہے۔ اس کی پہلی جلد حاجی خلیفہ کی نظر میں آچکی تھی۔ (٤)

اس کتاب کے مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ جیسے کہ مکتبہ عاطف آفندی، ترکی، رقم : ١٩٤٢، مکتبہ طوبقبور سرای، ترکی، رقم : ٢٩٢٧، مکتبہ حمد ثالث، ترکی، رقم : ٢٩٢٧، معھد المخطوطات العربیہ، رقم : ٦١٨، مکتبۃ الوطنیہ، پیرس، رقم : ٢٠٩٦۔

٨) **المرقاۃ الوفیۃ فی طبقات الحنفیہ :** یہ علامہ مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی شیرازی شافعی صاحب قاموس المحیط (متوفی ٨١٧ھ) کی تالیف ہے، جو اصل میں "الجواھر المضیہ" کا معمولی اضافات کے ساتھ اختصار ہے۔ (٥)

٩) **التذکرۃ :** یہ علامہ تقی الدین احمد علی بن عبد القادر المقریزی (متوفی ٨٤٥ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کے کسی مخطوطے کا علم نہیں ہو سکا۔ علامہ قطلوبغا نے "تاج التراجم" کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (٦)

١٠) **طبقات الحنفیہ :** یہ فقیہ شام و مؤرخ علامہ تقی الدین ابی بکر احمد بن محمد بن عمر الاسدی الدمشقی (متوفی ٨٥١ھ) کی کاوش ہے۔ (٧)

١١) **طبقات الحنفیہ :** یہ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی (متوفی ٨٥٥ھ) کی تصنیف ہے۔ (٨)

١٢) تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ : شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغا (متوفی ٨٧٩ھ) کی یہ کتاب ١٨٦٢ء میں پہلی بار طبع ہوئی تھی۔ پھر ایک سو سال بعد ١٩٦٢ء میں مطبعۃ العانی، بغداد سے ١٣٤ صفحات پر شائع ہوئی۔ جس میں ٤١٩ علمائے احناف کے انتہائی مختصر کوائف اور اسماء مذکور ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ذخیرہ کتب پروفیسر محمد اقبال مجددی، پنجاب لائبریری، لاہور میں محفوظ ہے۔ نیز اس کتاب کی ایک جدید اشاعت دار القلم، دمشق سے بھی ہو چکی ہے۔

١٣) **طبقات الحنفیہ :** علامہ شمس الدین محمد بن محمود بن خلیل القونوی، المعروف با بن اجا (متوفی ٨٨١ھ) کی یہ کتاب تین مجلدات پر مشتمل ہے۔ (٩)

١٤) طبقات الحنفیہ : یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے۔ جس کے مصنف فقیہ، مؤرخ علامہ محمد بن محمد بن محمود ثقفی حلبی (متوفی ٨٩٠ھ) ہیں۔ (١٠)

۱۵) **طبقات الحنفیہ :** یہ الحافظ محمد بن عبدالرحمن بن محمد سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) کی تالیف ہے۔ جس کے مخطوطہ کی مائیکرو فلم جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ رقم: ٥/٤٨٥٧ محفوظ ہے۔

۱۶) **مختصر من مناقب ائمۃ الحنفیہ والشافعیہ :** علامہ احمد بن سلیمان بن کمال پاشا (متوفی ۹٤۰ھ) کی اس کتاب کے دو مخطوطے پہلا مکتبۃ الحرم مکی، رقم: ۸۲ اور دوسرا المکتبۃ المحمودیہ، مدینہ منورہ، رقم: ۱٦/۲٦٥۰ محفوظ ہے۔

۱۷) **الغرف العلیۃ فی تراجم متاخرا لحنفیۃ :** یہ کتاب علامہ شمس الدین محمد بن علی بن احمد بن طولون الصالحی الدمشقی (متوفی ۹٥۳ھ) کی تالیف ہے، جو اصل میں "الجواھر المضیہ" کا ذیل ہے۔ علی سید عبداللطیف کی تحقیق سے ۲۰۲۱ء میں البحوث الاسلامیہ، ترکی کی طرف سے تین مجلدات میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۸) **تلخیص الجواھر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ :** یہ تلخیص علامہ محمد بن ابراہیم حلبی (متوفی ۹٥٦ھ) کی ہے۔ اس کا مخطوطہ مکتبہ عارف حکمت، مدینہ منورہ میں محفوظ ہے۔

۱۹) **اختصار کتاب ابن المھندس :** یہ اختصار بھی علامہ محمد بن ابراہیم حلبی کا تیار کردہ ہے۔ جس کے مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ جیسے مکتبہ آیا صوفیا، رقم: ۳۱۰۳، مکتبۃ العمومیہ، شام، رقم: ٥۰٥٥

۲۰) **طبقات الحنفیہ :** محمد بن عمر و حفید آق شمس الدین (متوفی ۹٥۹ھ)۔

۲۱) **طبقات الحنفیہ :** یہ علامہ احمد بن مصطفی بن خلیل المعروف طاش کبرہ زادہ (متوفی ۹٦۸ھ) کی تالیف کردہ ہے۔ اس کتاب کا ایک مخطوطہ مکتبۃ الکویت، رقم: ۷ محفوظ ہے اور اس کے طبع ہونے کی بھی اطلاع ہے۔ واللہ اعلم

۲۲) **طبقات الحنفیہ :** یہ مولی علی شبلی بن امر اللہ بن عبدالقادر الحمیدی المعروف بقنالی زادہ (۹۷۹ھ) کی تالیف ہے، جو ۱٤۲٦ھ/۲۰۰٥ء کو ڈاکٹر محی ھلال السرخان کی تحقیق سے مطبعۃ دیوان الوقف السنی، بغداد سے تین مجلدات میں طبع ہوئی ہے۔

اس کی جلد اول ۳۳۷ صفحات اور ٤۷ علمائے احناف، دوسری جلد ۲۳۷ صفحات اور ۱٥٦ مشاہیر احناف جب کہ آخری اور تیسری جلد ۲۷٤ صفحات اور صرف ۷۳ فقہائے احناف کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس طرح تینوں جلدوں میں ۲۷٦ رجال احناف کے تراجم موجود ہیں۔ آخری تذکرہ علامہ مفتی الثقلین احمد بن سلیمان المعروف ابن کمال پاشا کا ہے جو

کہ صفحہ ۸۳ پر ختم ہوجاتا ہے۔ اس تیسری جلد کے باقی صفحات فہارس، اعلام، آیات، احادیث، اشعار اور اسماء الکتب وغیرہ پر مشتمل ہے۔

اسی نسخے کو بعد میں مکتبہ امین سے بھی طبع کیا گیا ہے۔

۲۳) **کتاب اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار:** یہ العالم الفاضل علامہ محمود بن سلیمان کفوی رومی حنفی (متوفی ۹۹۰ھ) کی تالیف ہے، جو عبداللطیف عبدالرحمن کی تحقیق سے ۱٤٤٠ھ / ۲۰۱۹ء کو دو جلدوں اور ۱٤۸۸ صفحات پر دار الکتب العلمیہ، بیروت سے طبع ہوئی، اس کی جلد اول پیش نظر ہے جو ۷۰٤ صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ کفوی نے اس کتاب میں دیگر کتب طبقات سے ہٹ کر اسلوب اپنایا ہے جو نا صرف کافی دلچسپ ہے بل کہ اسی اسلوب کے سبب کتاب اس قابل ہے کہ اسے خرید کر ہاتھ میں پکڑ کر مطالعہ کیا جائے اور ذاتی لائبریری میں رکھا جائے۔

مصنف نے کتاب کی ابتدا سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر خیر سے کی ہے اور اُن ادوار میں علوم کے حوالے سے کئی دلچسپ چیزیں بیان کی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر کرنے کے بعد آپ کے اصحاب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد اکابر تابعین کے احوال بیان کرتے ہیں۔ پھر مختلف ائمہ فقہا کو ذکر کرنے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ، آپ کے تلامذہ اور ترتیب وار دیگر علمائے احناف کے تراجم بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور عام مؤرخین سے ہٹ کر شخصیات کے ضروری احوال ذکر کرنے کے ساتھ مختلف فقہی و اعتقادی مسائل میں ان کے اقوال و فتاوی، ان کی تشریح و توضیح اور دلچسپ حکایات و لطائف بھی بیان کرتے ہیں۔

اس کتاب کی ایک دوسری اشاعت مکتبۃ الارشاد سے پانچ محققین کی تحقیق کے ساتھ ٤ جلدوں میں بھی ہوئی ہے۔

۲٤) **طبقات الحنفیہ:** یہ علامہ قطب الدین محمد بن علاء الدین احمد بن محمد بن قاضی خان بن بھاء الدین بن یعقوب بن حسن بن علی نہروانی ہندی (متوفی ۹۹۰ھ) کی تالیف ہے۔ (۱۲)

۲۵) **طبقات السادۃ الحنفیہ:** یہ عبداللہ السویدی کا تذکرہ ہے جن کا تعلق دسویں صدی ہجری سے تھا، سن وصال معلوم نہیں ہو سکا۔ اس تذکرے کے دو مخطوطات محفوظ ہیں۔ پہلا مکتبہ برلین، المانیا، رقم: ۰۰۲٦ اجب کہ دوسرا خدا بخش لائبریری، رقم: ۱۲/ ۷٦۱

۲۶) الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ : یہ علامہ تقی الدین عبدالقادر التیمی (متوفی ۱۰۱۰ھ) کا تالیف کردہ علمائے احناف پر ضخیم تذکرہ ہے۔ جو ڈاکٹر عبدالفتاح محمد الحلو کی تحقیق سے ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء کو چار جلدوں میں دارالرفاعی، کویت سے طبع ہوا ہے۔

جلد اول ۴۳۸ صفحات اور ۲۷۶ علمائے احناف، جلد دوم ۳۱۶ صفحات اور ۳۴۴ فقہائے احناف، جلد سوم ۲۹۱ صفحات اور ۲۷۴ مشاہیر احناف جب کہ جلد چہارم ۴۵۱ صفحات اور ۴۹۴ رجال احناف کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ان چار جلدوں میں مجموعی لحاظ سے ۱۳۸۸ علمائے احناف کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر یہ نامکمل طباعت ہے اس کی مزید بھی کچھ جلدیں ہیں جو طبع نہیں ہوئیں، جلد چہارم حرف عین پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔

۲۷) الاثمار الجنیۃ فی اسماء الحنفیۃ : یہ فقیہ، محدث حضرت علامہ علی بن سلطان محمد قاری حنفی (۱۰۱۴ھ) کی تالیف ہے جو اصل میں "الجواھر المضیۃ" کا اختصار ہے۔ یہ ڈاکٹر عبدالحسن عبداللہ احمد کی تحقیق سے دو جلدوں میں ۹۸۹ صفحات پر ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں مطبعۃ دیوان الوقف سنی، بغداد سے شائع ہوئی ہے۔

۲۸) طبقات الحنفیہ : یہ قاضی استنبول خلیل بن محمد رومی حنفی (۱۰۹۵ھ) کی تالیف ہے۔ جس کا ایک مخطوطہ مکتبہ ولی الدین آفندی میں موجود ہے۔ (۱۳)

۲۹) مھام الفقھاء فی طبقات الحنفیۃ : یہ علامہ قاضی محمد کامی بن ابراہیم بن احمد بن شیخ سنان بن محمود رومی حنفی (متوفی ۱۱۳۶ھ) کی تالیف ہے۔ (۱۴)

۳۰) خلاصۃ الجواھر فی طبقات الائمۃ الحنفیۃ الاکابر : یہ علامہ فقیہ عبدالسلام بن محمد امین بن شمس الدین داغستانی (متوفی ۱۲۰۲ھ) کی تالیف ہے۔ غالباً یہ فارسی زبان میں ہے کیوں کہ علامہ داغستانی کی اکثر کتب فارسی میں ہی تھیں۔ علامہ ۱۱۴۰ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کتاب کا مخطوطہ بھی وہیں ان کی دیگر کتب کے ساتھ محفوظ ہے۔ (۱۵)

۳۳، ۳۲، ۳۱) الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیہ : علامہ ابی الحسنات عبدالحی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی یہ نفع بخش تالیف ایک جلد میں ہے جس میں آپ نے ۵۲۴ علمائے احناف کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ کتاب کے آخر میں خاتمہ ہے جو دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں آپ نے ان اعلام کی تعیین کی ہے جو کتب فقہ میں کسی وصف، نسبت یا کنیت

کے ساتھ مذکور ہوتے ہیں اور قاری کے لیے ان کی پہچان مشکل ہوتی ہے۔ جب کہ فصل دوم بھی اس طرح کے بہت سے فوائد سے بھری پڑی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

"الفوائد البھیۃ" اصل میں "کتاب الاعلام الاخیار للمولی محمود بن سلیمان کفوی" کا اختصار ہے، جس میں علامہ لکھنوی نے اضافات بھی کیے ہیں۔ بعد میں خود ہی "التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البھیۃ" کا اضافہ کیا۔ پھر اس کے بعد "طرب الاماثل فی تراجم الافاضل" کے نام سے ایک الگ کتاب تصنیف کی، جس میں علمائے احناف کے ساتھ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے فقہا کا بھی ذکر کیا، البتہ اکثر علمائے احناف کو ہی لیا ہے۔

یہ تینوں کتب احمد الزعبی کی تصحیح کے ساتھ پہلے مصر سے اور پھر پاکستان میں المکتبۃ المعروفیہ، لاہور، کوئٹہ سے ۶۳۲ صفحات پر شائع ہوئی ہیں مکتبہ معروفیہ سے اس کا چوتھا ایڈیشن ۱۴۴۲ھ/۲۰۱۹ء میں طبع ہوا ہے، جو اس وقت پیش نظر ہے اور راقم الحروف کی ذاتی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

"الفوائد البھیۃ" کی ایک تحقیقی اشاعت ابو یاسر محمد حسین الدمیاطی کی تحقیق سے دار ابن عفان سے بھی ہو چکی ہے۔

۳۴) تذکرہ علمائے احناف: یہ مولانا کلیم اللہ مچھیانوی (۱۳۲۴ھ) کی تالیف ہے۔ بقیۃ السلف علامہ عبد الحکیم شرف قادری نے "تذکرہ اکابر اہلسنت" میں اس کا ذکر کیا ہے اور صفحات کی تعداد ۹۰۴ بتائی ہے۔ ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی نے اس کتاب کا دو جگہ ذکر کیا ہے ایک جگہ اورینٹل کالج، لاہور، میگزین میں اس کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے اسے مولانا محمد کلیم اللہ کی تصنیف قرار دیا اور اپنے والد مولانا محمد عبد الکریم کی اس تذکرے کی تدوین و ترتیب میں معاونت کا ذکر کیا۔ جب کہ دوسری جگہ ان کے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "ادبیات عربی میں علمائے لاہور کا حصہ" میں اس کتاب کو اپنے والد کی کتاب بتایا ہے۔ ڈاکٹر خورشید احمد خان نے "حدائق الحنفیہ" کے شروع میں اس کتاب کا ذکر کرکے ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی کے مضامین کے روشنی میں اس پر نقد و تبصرہ کیا ہے اور قریشی صاحب کے دو مختلف مقامات پر بیانات کا تجزیہ کیا ہے۔ اس تجزیے کو پڑھنے کے بعد میرے نزدیک اس تذکرے کا وجود ہی مشکوک ہو گیا ہے۔

۳۵) حدائق الحنفیہ: مولانا فقیر محمد جہلمی (متوفی ۱۳۳۴ھ) کی رجال احناف پر اردو زبان میں پہلی اور آخری مستند کتاب ہے۔ جس میں ۱۰۰۱ علمائے احناف کے تراجم شامل ہیں امام اعظم ابو حنیفہ کا تذکرہ تفصیلی ہے۔ باقی مشاہیر کا مختصر علامہ جہلمی نے ۹۱۵ بزرگوں کے حالات قلم بند کیے تھے۔ جب کہ دیگر کا اضافہ محترم خورشید احمد خان نے تکملہ کے طور پر کیا ہے۔ پہلے یہ کتاب مطبع نول کشور، ہند سے تین مرتبہ شائع ہوئی تھی۔ پھر محترم خورشید احمد خان نے اس کی تصحیح،

حواشی کا کام کیا اور پہلی اشاعتوں میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں ان کو حاشیہ کی مدد سے دور کیا اور تکملہ کا اضافہ کر کے اسے مکتبہ حسن سہیل لیمٹڈ، لاہور سے ۵۳۶ صفحات پر نئے سرے سے شائع کروایا۔ اس کے علاوہ اسی نسخہ کو المیزان، مکتبہ ربیعہ، کراچی نے بھی طبع کیا۔ اس کے بعد ۱۴۳۶ھ / ۲۰۱۵ء کو انوار الاسلام، چشتیاں نے نئے سرے سے کمپوزنگ کر کے ۵۷۶ صفحات پر طبع کروایا۔ اور پھر اسی نسخہ کی آخری اشاعت دارالاسلام رجب ۱۴۴۵ھ / فروری ۲۰۲۴ء، لاہور سے ہوئی۔

۳۶) **مفید المفتی :** یہ مولانا عبدالاول جونپوری (متوفی ۱۳۸۴ھ) کی تصنیف ہے۔ جس کا موضوع خاص رجال احناف نہیں، پھر بھی انتہائی اختصار کے ساتھ بہت سے مشاہیر احناف کا اس میں تذکرہ موجود ہے۔

"مفید المفتی" میں مصنف نے امام اعظم ابو حنیفہ سے لے کر اپنے زمانے تک کے ۱۷۰ فقہائے احناف کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد چودھویں صدی کے اوائل میں انتقال فرمانے والے ۲۷ مشاہیر کے اسما پیش کیے ہیں۔ پھر ایسے ۶۰ مشاہیر جن کے ساتھ مصنف کی جسمانی ملاقات ہوئی یا روحانی موانست و تعلق تھا اور جن کے وجود سے چودھویں صدی جگمگا رہی تھی کا ایک ایک لائن میں تعارف پیش کیا۔ جیسا کہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان کے تعارف میں لکھتے ہیں :

مولانا حافظ احمد رضا خان بریلوی فقیہ، اصولی، مناظر، معقولی، ادیب، جامع العلوم، صوفی۔

اس کے علاوہ ۲۵۷ سے زائد فقہ حنفی پر کتب، شروح اور حواشی کا ذکر ہے اور ضرورتاً ان کے مصنفین کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ ۱۳۲۶ھ میں یہ کتاب آسی پریس، لکھنو سے شائع ہوئی تھی۔ سید ارشاد احمد عارف نے بطور ضمیمہ چودھویں صدی ہجری کے ۴۱ مشاہیر کے مختصر حالات کا اضافہ کیا اور پندرھویں صدی ہجری کے ۸۹ بزرگوں کا ایک ایک سطر میں تعارف پیش کیا جو حیات تھے، سید ارشاد احمد کے ضمیمہ کے ساتھ ۱۴۰۱ھ میں یہ کتاب مکتبہ غوثیہ ہدایت القرآن، ملتان سے شائع ہوئی اور پھر ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء میں فرید بک سٹال، لاہور سے طبع ہوئی۔

اس طرح مجموعی طور پر یہ کتاب ۶۴۴ سے زائد رجال احناف کے تعارف پر مشتمل ہے۔

۳۷) **البدور المضیۃ فی تراجم الحنفیۃ :** علمائے احناف پر اب تک لکھے گے تذکروں میں یہ سب سے ضخیم تذکرہ ہے۔ جس میں ۶۲۶۱ مشاہیر احناف کے احوال شامل ہیں۔ ۲۳ جلدوں میں ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۸ء کو اس کا دوسرا ایڈیشن دار الصالح، مصر سے شائع ہوا تھا جو اس وقت پیش نظر ہے۔ اس کے مؤلف محمد حفظ الرحمن بن علامہ محب الرحمن کملائی رئیس

دارالافتاء جامعہ رحمانیہ، عربیہ، ڈھاکا، بنگلہ دیش ہیں۔ مؤلف نظریاتی طور پر دیوبندی ہیں اس لیے انھوں نے علمائے اہل سنت کا تذکرہ کرتے وقت نہ صرف انصاف اور دیانت داری کا گلا گھونٹا ہے بل کہ مسلکی بغض اور تعصب سے بھی کام لیا ہے۔ اس لیے علمائے اہل سنت کے احوال کے ضمن میں یہ کتاب معتبر نہیں رہی۔ اس کتاب کے مؤلف نے علمائے اہل سنت کے متعلق جہاں جہاں تعصب سے کام لیا یا ان کے غلط تراجم اہل عرب کے سامنے پیش کیے ہیں اُس کے ازالے کے لیے ضروری ہے کہ عربی میں ہی ایک کتاب تصنیف کرکے اسی مذکورہ ادارے جہاں سے یہ شائع ہوئی ہے طبع کروائی جائے۔ اگر یہ ادارہ طبع نہ کرے تو عرب کے کسی اور بڑے ادارے سے شائع کروا دی جائے۔

۳۸) **الجواهر النقية في تراجم الحفاظ الحنفية :** یہ مولانا ابوالقاسم نعمانی دیوبندی کی تالیف ہے، جو غالباً ایک ہی جلد میں ہے۔ مکتبۃ الامداد، دیوبند، ہند سے شائع ہوئی ہے۔

۳۹) **اعلام الحنفیہ من اهل بیت :** یہ وائل محمد حنبلی کی تالیف ہے، جو ۲۰۱۱ء میں ۲۳۱ صفحات پر کویت سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مؤلف نے امام اعظم ابوحنیفہ، قاضی ابویوسف، امام محمد، امام زفر کے ساتھ پانچویں صدی ہجری سے لے کر پندرھویں صدی ہجری تک سادات علمائے احناف کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۰) **مختصر طبقات الحنفیہ :** اس کا مؤلف مجہول ہے اور کتاب کا مخطوطہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں محفوظ ہے۔ مجموعی طور پر علمائے احناف پر لکھی گئی کتب میں اب تک ۴۰ کتب کا ذکر ہمیں ملا ہے۔ جن میں سے ۱۶ مطبوع ہیں ۱۲ کے مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں اور باقی ۱۲ کے ہم تک صرف نام ہی پہنچے ہیں اور تاریخ میں ان کے اسما محفوظ ہیں۔ دنیا میں ان کا وجود بھی پایا جاتا ہے یا نہیں اس بارے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی، غالب گمان ان کے مفقود ہونے کا ہی ہے۔

البتہ مفقود کتب میں چار کا تعلق تو "الجواہر المضیہ" کی تالیف سے پہلے کا ہے قرین قیاس ہے کہ علامہ عبدالقادر نے انھیں "الجواہر المضیہ" میں ضم کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ قدیم مؤرخین کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے سے پہلی کتب کو ہی اضافات کے ساتھ اپنی کتب میں لے لیتے تھے۔ نیز ان چالیس کتب میں سے بھی کئی کتب تو کسی دوسری کتاب کا اختصار ہی ہے۔ جن میں ایک نام "الجواہر المضیہ" کا ہے کہ سب سے زیادہ اختصارات اسی کتاب کے ہیں۔

علامہ لکھنوی نے ہدایہ، اس کی شروح اور وقایہ پر کام کرنے والے رجال احناف پر الگ سے لکھا ہے جسے انھوں نے "مقدمۃ الہدایہ" اور "شرح وقایہ" میں شامل کیا ہے۔ اگر اس کام کو ان کی علیحدہ مستقل کتاب شمار کیا جائے تو طبقات احناف پر کتب کی تعداد ٤١ ہو جاتی ہے۔

اردو زبان کی بات کریں تو ہمارے پاس "حدائق الحنفیہ" ہی علمائے احناف پر پہلا اور آخری کام ہے "مفید المفتی" کا اصل موضوع تو فقہائے احناف کے فتاوی اور فقہی کتب کا تعارف اور ان کی فنی حیثیت واضح کرنا تھا، ضمناً بہت سے رجال کا مختصر تعارف بھی ہو گیا۔ اردو زبان میں جس طرح مختلف موضوعات پر لٹریچر تیار کیا جا رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے مشاہیر احناف پر مزید تذکرے مرتب کرنے کی ضرورت ہے اور آج کے دور میں رائج جدید ذرائع کو اپنا کر ہم ضخیم اور تحقیقی تذکرے مرتب کر سکتے ہیں۔ صرف برصغیر کی بات کریں تو یہاں پر تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری میں علمائے احناف کی بہت بڑی تعداد علمی سرگرمیوں میں مشغول رہی ہے اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور اندازاً یہ تعداد عرب علمائے احناف سے زیادہ ہو سکتی ہے کیوں کہ عرب میں حنفی علما کا اب وہ غلبہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ شیخ الحدیث علامہ محب اللہ نوری کے سفر یمن سے پتا چلتا ہے کہ یمن میں حنفیت اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے اور وہاں فقہ حنفی پر فتوی دینے والا کوئی قابل ذکر عالم نہیں ہے۔

اردو میں طبقۃ احناف پر کام کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جن مشاہیر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا طاق نسیان میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کے تراجم بھی محفوظ ہو جائیں گے جو بعد میں آنے والوں کے لیے مآخذ و مراجع کا کام دیں گے۔

ماخذ و مراجع

١. سخاوی، امام محمد بن عبدالرحمن شمس الدین، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اھل التاریخ، ص١٧٨، مؤسستہ الرسالۃ، بیروت، لبنان، طبع اول، ١٤٠٧ھ/ ١٩٨٦ء

٢. حاجی خلیفہ، مصطفی بن عبداللہ چلپی، کشف الظنون، ج ٢، ص ١١٠٥، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سنہ ندارد

٣. حاجی خلیفہ، مصطفی بن عبداللہ چلپی، کشف الظنون، ج ٢، ص ١٠٩٧، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سنہ ندارد

٤. ایضاً، ص ١٠٩٨

٥. حاجی خلیفہ، مصطفی بن عبداللہ چلپی، کشف الظنون، ج ٢، ص ١٠٩٨، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سنہ ندارد و زرکلی، خیر الدین، الاعلام، ج ٧، ص ١٤٧، دار العلم ملایین، بیروت، لبنان، مئی ٢٠٠٢ء

٦. قطلوبغا، علامہ شیخ زین الدین قاسم ، تاج التراجم ، ص ٣، مطبعۃ العانی ، بغداد، طبع اول، ١٩٦٢ء

٧. زرکلی، خیرالدین، الاعلام، ج ٢، ص ٦١، دارالعلم ملایین، بیروت، لبنان، مئی ٢٠٠٢ء

٨. حاجی خلیفہ، مصطفی بن عبداللہ چلپی، کشف الظنون، ج ٢، ص ١٠٩٨، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سنہ ندارد

٩. زرکلی، خیرالدین، الاعلام، ج ٧، ص ٨٨، دارالعلم ملایین، بیروت، لبنان، مئی ٢٠٠٢ء

١٠. ایضاً، ص ٥١

١١. حاجی حلیفہ، مصطفی بن عبداللہ چلپی، کشف الظنون، ج ٢، ص ١٠٩٨، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سنہ ندارد

١٢. ابن عماد، امام شہاب الدین، عبدالحی بن احمد حنبلی، شذرات الذہب، ج ١٠، ص ٦١٧، دارابن کثیر، دمشق، شام، طبع اول، ١٤١٤ھ / ١٩٩٣ء

١٣. زرکلی، خیرالدین، اعلام، ج ٢، ص ٣٢٢، دارالعلم ملایین، بیروت، لبنان، مئی ٢٠٠٢ء

١٤. اسماعیل پاشا، علامہ اسماعیل پاشا بن محمد امین بغدادی، ایضاح المکنون، ج ٢، ص ٦٠٨، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سنہ ندارد

١٥. زرکلی، خیرالدین، الاعلام، ج ٤، ص ٧، دارالعلم ملایین، بیروت، لبنان، مئی ٢٠٠٢ء

قارلق ترکوں کی تاریخ اور شناخت

رحمت اللہ ترکمن، کابل-افغانستان

قارلق قبیلے کو ترکوں میں پر کشش ترین نسل کہا جاتا ہے.

غارلیق یا قارلق : قارلق/غارلق اصل میں ترک زبان کا لفظ ہے.جس کے معانی "برفیلے علاقوں میں رہنے والے" "برف والے" کے ہیں. بعض روایات میں یہ لوگ زمانہ قدیم میں مالداری اور مویشیوں کا پیشہ کرتے تھے اور ایسے علاقوں میں سکونت پذیر تھے جو کہ اکثر سر سبز رہتے اور سردیوں میں برف سے ڈھکے رہتے اس سبب سے انھیں قارلق کہا گیا ہے.

(قارلق لفظ ابھی بھی مستعمل ہے اور ترکی زبان میں قار، برف کو کہتے ہیں)

لفظ قارلق کا سراغ ہمیں پانچویں صدی عیسوی کے "اورخون" نامی کتبوں اور چھٹی سے آٹھویں صدی عیسوی تک حکومت کرنے والے "گوک ترک" سلطنت کے منابع میں ملتا ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ قارلق لفظ اس سے بھی زیادہ قدامت کا حامل ہے.

قبل مسیح کی بات کی جائے تو ہمیں اوغوز خان کی داستان میں اس کا ذکر ملتا ہے اور ہزاروں برس قدیم "اوغوز نامہ" نامی داستان کے مطابق قارلق نام اوغوز خان (یافث بن نوح کی دسویں پشت میں وحدانیت پرست بادشاہ) (بعض روایات کے مطابق قرآن میں بتایا گیا ذوالقرنین) نے خود رکھا تھا.

اوغوز خان اور قارلق : اس حکایت کے مطابق اوغوز خان تمام مغلستان (منگولیا), تاتارستان اور قرہ ختائی ترکوں کو جمع کر کے عظیم لشکر ترتیب دے کر دنیا میں توحید پھیلانے کی نیت سے روانہ ہوا,شہر پر شہر فتح ہوتے گئے جن میں بخارا کا حاکم بغیر جنگ کے تسلیم ہوگیا.اس کے بعد اوغوز خان نے تاشقند,سرام کو فتح کیا اور فرغانہ کی مہم میں اپنے بیٹوں کو روانہ کیا جنھوں نے چھے ماہ کے محاصرے کے بعد شہر کو فتح کیا اور شہر کی تمام آبادی اللہ پر ایمان لے آئی.اوغوز خان نے تمام مفتوح مملکتوں میں حاکم مقرر کیے اور,بخارا سے بلخ روانہ ہوا,بلخ کی تسخیر کے بعد غور کے علاقے میں سخت

سردیاں شروع ہوگئیں اور تمام علاقے برف سے ڈھک گئے اور فوج کا ایک حصہ مسلسل سفر کی تھکان اور سخت برف کی وجہ پیچھے رہ گیا۔

سردیاں ختم ہوئیں اور بہار کا موسم آگیا۔ اوغوز خان نے جب اپنے لشکر کا معائنہ کیا تو تعداد کم نظر آئی، پرسان کرنے پر بھی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔ کچھ دن گزرے تھے کہ برفباری میں پھنس جانے والا سپاہ کا دستہ خان کی خدمت میں پہنچ آیا۔ جب ان سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے عذر پیش کیا کہ "ہم پہاڑیوں میں پھنس گئے تھے اور اس دوران بہت سخت برفباری اور طوفان آیا جس کے سبب ہم رکنے پر مجبور ہوگئے اور پیچھے رہ گئے۔ اس دوران ہمارے گھوڑے، اونٹ بھی کثیر تعداد میں مر گئے اور ہم موسم بہتر ہونے پر پہنچ آئے ہیں۔"

اوغوز خان نے یہ سننے کے بعد حکم دیا کہ آئندہ سے ان کو قارلق یا غارلق (برف والے) کہا جائے اور بعد میں یہی لقب ان کے لیے مستعمل ہوگیا۔

اس کے بعد اوغوز خان نے کابل اور غزنی فتح کیا اور ہندوستان کی مہم شروع ہوئی جس میں خان نے سپاہ کو منظم کرکے کشمیر پر یورش کی۔ کشمیر کے حکمران کو یغما خان کہا جاتا تھا۔ اوغوز نامہ کے مطابق کشمیر میں بہت اونچے پہاڑ اور دریاوں کی بہتات تھی۔ جس کا یغما خان اور کشمیر کی سپاہ کو بہت فائدہ ہوا۔

اوغوز خان نے ایک سال کی سخت جنگ کے بعد کشمیر فتح کیا اور یغما خان قتل ہوا۔ بعد میں کشمیر میں دو سال گزارے اور وہاں اپنا ایک حاکم مقرر کرکے بدخشاں کے رستے مغلستان میں اپنے پایہ تخت واپس ہوا۔۔

قارلق ترکوں نے تیسری صدی ہجری میں دین مقدس اسلام قبول کیا۔

لفظ قارلق کا باقائدہ سراغ ہمیں قدیمی "اورخون" کتبوں اور چھٹی سے آٹھویں صدی عیسویں تک حکومت کرنے والے عظیم "گوگ ترک" سلطنت کے منابع میں ملتا ہے۔ یہ کتبے نویں صدی ہجری میں برآمد ہوئے۔ ان کتبوں میں چار جگھوں پر قارلق کا ذکر ہوا ہے۔

قارلق ترکوں کا اصل مسکن : مورخین کے مطابق ختائی یا ملک خطاء (مرکزی ایشیاء) میں ایک شہر ہے خلج, یہ شہر قارلق ترکوں کا ابتدائی مسکن مشہور ہے, دنیا کی بہترین عطر و خوشبو اسی ملک خطاء و شہر خلج کی نسبت مشہور ہے اور حسن و خوبصورتی کے لیے بھی یہاں کے لوگ شعراء کے کلام میں ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں. چنانچہ شاعر انوری ابیوردی اس بارے میں لکھتے ہیں.

"کنار دجلہ زخوبان خلج شادباش

میان رحبہ زترکان ماہ رخ کشمیر"

(دجلہ کا کنارہ ہو اور خلج کے خوبرو کے مابین شاد ہو وادیوں کی چھاوں ہو اور کشمیر کے ماہ رخ ترک ساتھ ہو)

قارلق ترکوں کا درج ذیل سلطنتوں کی بنیاد گزاری اور استحکام میں اہم حصہ و کردار رہا ہے.

۱ : گوک ترک سلطنت (پانچویں تا آٹھویں صدی عیسوی)- ۲ : قراخانی سلطنت جنھوں نے ۲۳۲ سال حکمرانی کی-۳ : غزنوی سلطنت جنھوں نے ۲۲٤ سال حکمرانی کی-٤ : سلجوقی سلطنت جنھوں نے ۲٦۰ سال حکومت کی-۵ : تیموری سلطنت جنھوں نے ۱۳٤ سال حکومت کی.

قارلق بادشاہوں کے لقب : قارلق بادشاہوں اور سرداروں کے تاریخ گزشتہ میں درج ذیل القاب رہے ہیں.

۱ : ایلک (ایلک خان)- ۲ : یبغور-۳ : قاغان / کاغان-٤ : خاقان

قارلق قبیلے کی ابتدائی تاریخ : قارلق ترکوں کا ابتدائی ذکر اوغوز خان کی داستان میں نظر آتا ہے، جس کی رو سے اوغوز خان نے اپنے لشکر کے ایک حصے کو قارلق کا لقب دیا جس کے لفظی معانی برفیلی علاقوں میں رہنے والے کے ہیں۔ اوغوز خان ترکوں میں پہلا وحدانیت پرست بادشاہ تھا اور اسکا زمانہ آج سے ۵۵۰۰ سال قبل کا بتایا جاتا ہے۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ قارلق ترکوں کا نسب ترک بن یافث بن نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حدود العالم میں قارلق ترکوں کے حُسن اخلاق اور مہمان نوازی کی تعریف کی گئی ہے۔ مورخ المسعودی لکھتے ہیں کہ "ترکوں میں سب سے

جنگجو قبیلہ اوغوز ہے اور سب سے خوبصورت قد وقامت اور زیبا جسامت والے قارلق ہیں۔ یہ فرغانہ اور شاش (تاشقند) کے گردو نواح میں آباد ہیں اور خاقانوں کے خاقان اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں"

دیوان لغات الترک میں قارلق ترکوں کے متعلق یوں درج ہے۔

"خیمہ نشین ترکوں کا ایک گروہ، اگرچہ یہ اوغوز خان کی اولاد سے نہیں ہیں لیکن اوغوزوں کی طرح یہ بھی ترکمان کہلاتے ہیں"

قارلق ترکوں کو ابتدائی ادوار میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا تھا جن میں خلخ، قارلوق، قارلیق، الخلخیہ، کرلوغ اور قرلق شامل ہیں۔

جنگِ تالاس اور ترکوں کا قبول اسلام: مرکزی ایشیاء (ترکستان) میں خلفائے راشدین کے زمانے سے اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی اور اموی دور میں سمرقند و بخارا تک کے علاقے فتح ہو چکے تھے لیکن ان فتوحات میں تبلیغِ دین اور اسلامی تعلیمات کے بجائے کشور کشائی اور جزیہ کی جمع آوری پر بیشتر توجہ دی گئی جس کے سبب بہت قلیل تعداد میں ترک اسلام کی طرف راغب ہوئے۔

چین اور اسلامی ریاست کے درمیان ماوراء النہر اور مرکزی ایشیاء کے وسیع علاقوں میں گوک ترک ریاست قائم تھی جو کہ ۷۴۴ء میں اوغوز یا بغو اور قارلق ترکوں کے ہاتھوں اختتام کو پہنچی اور ان علاقوں میں چند مقامی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ۷۵۰ء میں عباسیوں کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سیاسی تبدیلیوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چین کے بادشاہ نے اپنے سپہ سالار ماؤ کو ترکستان و ماوراء النہر کی جانب ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کا بنیادی مقصد فتوحات کے علاوہ خطے میں بدھ مذہب کی ترویج کرنا تھا جب کہ دوسری طرف مسلمان بھی جذبہ جہاد سے سرشار اور فروغِ اسلام کے لیے مرکزی ایشیاء پر اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے۔ بڑھتے ہوئے چینی لشکر کے مقابلے میں عباسی خلیفہ نے تیس ہزار کا لشکر زیاد بن صالح کی قیادت میں روانہ کیا۔ دونوں بڑی ریاستوں کے درمیان ترک قبائل آباد تھے جو کہ اپنے قدیم عقائد پر قائم تھے اور ان کی اجتماعی زندگی اور مذہبی عقائد پر آنے والی جنگ کے فاتح گروہ کا اہم اثر پڑنے والا تھا۔

چینی سپہ سالار کو اندازہ تھا کہ وہ تن تنہا مسلمانوں کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مقامی قارلق ترکوں کو مال وزر کے عوض مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ساتھ دینے کی پیشکش کی۔ اگرچہ قارلق ترک پہلے بھی چینیوں کو نیک نظر سے نہیں دیکھتے تھے لیکن ترکوں کے اندرونی اختلافات کے سبب کمزوری کے باعث چینیوں کے زیر اثر آ گئے تھے۔ دوسری طرف اموی حکمرانوں کی ترکوں کے خلاف جزیہ کی بھرمار اور ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے ان سے بھی متنفر ہو چکے تھے۔

قارلق ترکوں نے دس ہزار سپاہ کے ساتھ چین کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور ۷۵۱ء میں تالاس نہر (موجودہ قزاقستان کا علاقہ) کے مقام پر عباسی اور چینی لشکر مدمقابل ہوا۔ قارلق ترکوں کی شمولیت سے دونوں لشکر عسکری لحاظ سے برابر کی تعداد میں تھے۔ لیکن جنگ کے پہلے تین روز میں چینی لشکر غالب آرہا تھا جس کا ایک سبب مسلمانوں کی نئی سرزمین سے عدم واقفیت اور قارلق ترکوں کی جنگی مہارت اور تجربہ تھا۔

چوتھے روز بھی مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی اور کثیر تعداد میں جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اسلامی لشکر میں ناامیدی اور مایوسی کی فضاء قائم ہوگئی تھی لیکن وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ ثابت قدمی نہ دکھانے کی صورت میں ان کے زندہ بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہے گی۔ چینی سپہ سالار گاؤ نے فتح کو یقینی سمجھ لیا تھا اور اگلے روز اسلامی لشکر پر آخری ضرب لگا کر فتحیابی کے لیے پر امید تھے۔

جنگ کے پانچویں روز زیاد بن صالح نے تمام تر قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے جنگ میں پہل کی اور چینی لشکر کی طرف بڑھنے لگے۔ ظاہری طور پر ان کا یہ قدم خودکشی کے معنوں میں آتا تھا۔ چینی سپہ سالار نے بھی اپنی سپاہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا لیکن اب کی بار صورتحال مختلف تھی۔ چین کے لشکر میں شامل قارلق ترکوں نے عقبی سمت سے اپنے اتحادی چینیوں پر دھاوا بول دیا اور دونوں طرف سے چینیوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔

دراصل گذشتہ شب زیاد بن صالح نے خفیہ طور پر قارلق سردار سے ملاقات کی اور انھیں اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کیا۔ اس کے بدلے میں عباسی خلافت کی طرف سے مفتوحہ سرزمینوں پر قارلق ترکوں کو حاکم بنائے جانے کا وعدہ کیا اور ہر ممکن مدد کی یقین دہانی کی اور قارلق ترک مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔

چینی لشکر اس غیر متوقع حملے کی تاب نہ لا سکے اور کثیر تعداد میں تہ تیغ اور اسیر ہوئے۔ سپہ سالارماؤ نے باقی ماندہ سپاہ کے ساتھ فرار کا راستہ اختیار کیا اور ترک سر زمینیں مکمل طور پر مسلمانوں کے زیر حاکمیت آ گئے۔

تالاس کی جنگ میں تاریخی فتح کے بعد مفتوحہ علاقے اسلامی حکومت کی طرف سے قارلق ترکوں کے اختیار میں دے دیے گئے اور دیگر قبائل نے قارلق ترکوں کی ماتحتی اختیار کر لی۔ ۷۵۷ء میں اویغور اور قارلق ترک قبائل کے درمیان جنگوں کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں قارلق غالب آئے اور ۷۶۶ عیسوی میں وسطی ایشیاء اور چین کے مشرقی حصوں میں قارلق ریاست کی بنیاد ڈالی گئی۔

تاریخ یعقوبی کے مطابق ۱۶۲ ہجری (۷۸۹ء) میں قارلق ترکوں کے یبغو (حکمران) نے اسلام قبول کیا اور حنفی مذہب کی کی پیروی اختیار کی۔

قارلق ریاست ۸۸۰ء میں قراخانی سلطنت میں ضم ہو گئی (مورخین کے مطابق قراخانی بھی قارلق ترکوں سے تعلق رکھتے تھے)۔ یہ ریاست چنگیز خان کے زمانے تک قائم رہی۔

قارلق ترک کن ممالک میں آباد ہیں!

۱: ایران: سلجوقی سلطان الپ ارسلان کے زمانے میں قارلق ترکوں کا ایک گروہ ایران منتقل ہوا. موجودہ ایران میں حالیہ ۷ قصبے یا علاقے قارلق نام سے موجود ہیں.

سوریہ/شام: عظیم سلجوقی سلطان الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے عہد حکومت میں اناطولیہ کی فتح (۱۰۷۱ء) کے بعد سے قارلق وہاں منتقل ہوئے اور آج بھی سوریہ کے شہر حلب میں قارلق کے نام سے ایک جامع مسجد موجود ہے جو کہ ۷۷۱ھ.ق میں حاکم حلب سیف الدین ابن بختم کی طرف سے تعمیر کروایا گیا.

۳: پاکستان: پاکستان میں قارلق ترکوں کی منتقلی اور آبادی کا تعلق ترک حکمران امیر تیمور سے جا ملتا ہے. ۹۹-۱۳۹۸ء کے ایام میں امیر تیمور فتح ہندستان کے بعد قارلق ترکوں پر مشتمل سپاہ کا ایک دستہ ہند میں اپنے نمائندے کے طور پر چھوڑ کر

جاتا ہے. مقامی آبادی ان کو ترکان قارلق کے نام سے پہچانتے تھے. انھوں نے جس علاقے میں رہائش اختیار کی وہ بعد میں ہزارہ کہلایا اور اب بھی ان کی نسل موجود ہے.

ستر سال کے عرصہ میں قارلق ترک اس قابل ہو گئے کہ یہ ایک خود مختار علاقائی حکومت یا سرکار بنا سکیں اور دو صدیوں سے زائد (۱٤۷۲ تا ۱۷۰۳) تک کشمیر اور ہزارہ نامی علاقے میں ہزارہ قارلق نام سے حکومت کی. مرکزی ایشیا سے آنے والے قارلق ترک اٹھارویں صدی میں اپنی سلطنت اور زبان دونوں کھو چکے تھے لیکن اب تک ان کی نسلیں محفوظ ہیں اور فخر سے اپنے نام کے ساتھ ترکوں کے القاب لگاتی ہیں.

٤ : از بکستان : بخارا اور سمرقند کے ۲۳ اضلاع میں قارلق ترک رہائش پزیر ہیں اور اپنی شناخت برقرار رکھے ہوئے ہیں. اس کے علاوہ سیر دریا کے قریب ایک موضع میں آلتین سایسکی نام کا شہر ہے. جس کا مرکزی شہر قارلق ہے.

٥ : افغانستان : تیسری صدی ہجری میں ایمان لانے والے قارلق ترکوں نے بعد میں سلطنت غزنویہ کی تشکیل میں اہم کردار نبھایا اور موجودہ افغانستان کے کئی صوبوں میں موجود ہیں. ان میں سے اکثر اپنی ترکی زبان فراموش کر چکے ہیں اور فارسی / دری کو ذریعہ ہم کلامی اختیار کیے ہوئے ہیں البتہ تخار صوبے کے قارلق اب بھی ترکی میں ہی گفتگو کرتے ہیں.

٦ : چین : قارلق ترکوں نے کئی ادوار میں چین کو منطقہ رہائش بنایا اور اب بھی قارلق ترکوں کی کثیر آبادی موجود ہے.

چنگیز خان اور مغل حملوں کے بعد سے قارلق ترکوں کی مہاجرت شروع ہوئی اور یہ دنیا بھر میں بکھر گئے. مغلوں کے فتنہ عظیم اور ہر جگہ منتشر ہونے کے باعث قارلق ترک سیاست سے رفتہ رفتہ دور ہوتے گئے اور موجودہ زمانے میں زیادہ تر تجارت کا پیشہ کرتے ہیں اور اپنی شناخت اور اصلیت کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی کاوش کرتے ہیں

حضرت خواجہ نور محمد ثانی معنوی

زین العابدین نظامی

پیر جہاں حضرت خواجہ نور محمد معنویؒ سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت خواجہ غلام رسول توگیرویؒ[1] کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء میں جھنگڑ[2] میں پیدا ہوئے۔[3] آپ کا تعلق آہیر خاندان سے تھا۔[4] آپ کے والد، مولوی شاہ محمدؒ ایک عالم با عمل اور ولی کامل تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی اور تکمیل علوم مولانا غلام نبیؒ سے کی۔ جب آپ ظاہری علوم سے فارغ ہوئے تو درس و تدریس شروع کر دی۔ آپ سختی سے شرع کی پابندی کرتے اور دوسروں کو بھی تلقین کیا کرتے تھے۔ ابتدا میں آپ کافی سخت مزاج تھے، لیکن بیعت کے بعد آپ کے مزاج یکسر بدل گئے۔

خواجہ عبد الحلیم توگیرویؒ[5] لکھتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ جب میں ظاہری علوم سے فارغ ہوا تو سال تک میں نے خوب تدریس کی، اس کے بعد مجھ پر اس شوق کا غلبہ ہوا اور ظاہری علوم کی تدریس کم ہو گئی، بے قراری بڑھی تو میں ہر کسی سے پیر کامل کا پتا پوچھتا، تصوف کی کتب کا مطالعہ بھی شروع کر دیا اور مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہتا۔ اس زمانے میں خواجہ غلام رسول توگیرویؒ کا بہت چرچا تھا مگر وہ قوالی سنتے تھے اور یہ چیز مجھے پسند نہ تھی۔ کچھ عرصے بعد میں

---

[1] خواجہ غلام رسول توگیرویؒ اپنے دادا حافظ عظمت اللہ توگیرویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، حافظ عظمت اللہؒ قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے مرید اور ان کے خلیفہ شیخ محمد فاضل نیکوکارہؒ کے خلیفہ تھے، اس کے علاوہ خواجہ سلیمان تونسویؒ سے بھی آپ کو خلافت حاصل تھی۔ آپؒ ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء کو توگیرہ شریف (بہاول نگر) میں پیدا ہوئے اور ۲۸ رمضان ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۷ء کو وصال پایا۔ آپ کا مزار توگیرہ شریف میں اپنے دادا اور والد (خواجہ سلطان محمودؒ) کے ساتھ ہے۔ آپؒ کی تصانیف میں قواعد الفقر کا نام آتا ہے۔

[2] جھنگڑ، بھارتی پنجاب کے ضلع فاضل کا گاؤں ہے جو پاکستانی بارڈر پر واقع ہے

[3] کرامات حضرت خواجہ نور محمد ثانی معنوی، محمد صالح شاکر، ص ۹

[4] ایضاً

[5] خواجہ عبد الحلیم توگیرویؒ، خواجہ غلام رسول توگیرویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، ان کی وفات کے بعد خواجہ نور محمد معنویؒ کی بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپؒ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء کولدھے وال (دیپالپور) میں پیدا ہوئے اور ۲۱ شوال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کو وصال پایا۔ آپ کا مزار حویلی لکھا (دیپالپور) میں واقع ہے۔ آپ کی تصانیف میں انوار الاسرار، فوائد المصائب، آداب الطریق، رسالہ تلقین مرشد، شجرۂ نور، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد اور دیوان عبد الحلیم شامل ہیں۔ ان میں سے شجرۂ نور، آداب الطریق، اور رسالہ تلقین مرشد چھپ چکی ہیں اور باقی غیر مطبوعہ ہیں۔

نے پاکپتن ، بابا صاحبؒ کے عرس پر حاضری شروع کردی ، ہر سال حضور فیاض عالم [1] سے ملاقات ہوتی اور ان کے ساتھ دینی مسائل پر گفتگو ہوتی ۔ میں نے اپنی حالت کے بارے میں مولانا قمر الدین بو نگویؒ [2] کو بتایا کہ مجھے طلب مرشد نے بے قرار کر رکھا ہے ،انھوں نے کہا کہ اس زمانے میں حضور فیاض عالم سے بڑھ کر اور کوئی پیر کامل نہیں ، میں بھی ا ن سے بیعت کر چکا ہوں ۔ اس کے بعد جب دوبارہ عرس پر حاضری ہوئی تو اس وقت حضور فیاض عالم کسی وجہ سے عرس پر تشریف نہ لا سکے ، جس کی وجہ سے مجھے بے قراری ستانے لگی اور مجھے معلوم ہوا کہ تمام رونقیں آپ ہی کے وجود مسعود سے تھیں ، اس کے بعد گھر آیا اور وہاں سے سیدھا تو گیرہ شریف [3] حاضری کے لیے روانہ ہوا، جب وہاں پہنچا تو حضرت باداموں پر ختم پڑھ رہے تھے ، میں نے سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا ، میرے دل پر بہت ہیبت طاری ہوئی ، فراغت کے بعد میں نے عرض کی کہ حضور میں عرفان الٰہی کے حصول کے لیے حاضر ہوا ہوں ، تو حضرت نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش ہونے کا اشارہ کیا ۔ آپ نے فرمایا : "مولوی صاحب ! یہ سوال نسبت حق تعالی کے بے ادبی ہے ، بل کہ عشق و محبت الٰہی طلب کرنی چاہیے ، عرفان الٰہی آدمی کی طاقت میں نہیں ہے ۔" یہ سن کر میں شرمندہ ہوا اور اسی نیت سے بیعت کی اس کے بعد آپ نے مجھے وظیفہ عطا کیا اور فرمایا کہ یہ مجھے میرے جد امجد اور پیر و مرشد نے عطا کیا تھا ، اس سے تمھیں منزل حاصل ہو جائے گی ۔ جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا ، کیا ! لیکن اس کا فائدہ محسوس نہ ہوا تو دوبارہ حاضر ہو کر اپنی محرومی کا ذکر کیا تو حضور نے مجھے نصیحت کی اور پاس انفاس اور نفی اثبات کے ذکر کی تلقین کی ، لیکن پھر بھی مجھے جو چاہیے تھا حاصل نہ ہوا ، بل کہ وہ ذوق جو بیعت سے پہلے تھا ، وہ بھی نہ رہا اور جب بھی حاضری ہوتی اسی وظیفے کا حکم ملتا ، دو سال تک یہی حال رہا ، آخر جب میں نے بہت اصرار کیا تو مجھے چلہ کرنے کا حکم ہوا ۔ جب قلت طعام و منام و کلام کی وجہ سے طبیعت کمزور ہونے لگی اور بصارت بھی کم ہونے لگی ، پھر میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ غریب نواز اس چلہ سے میرا دل اکتا چکا ہے ، اور ذوق جو میں چاہتا ہوں میسر نہیں ہوا ، بل کہ سابقہ ذوق بھی

---

[1] فیاض عالم ، خواجہ غلام رسول توگیرویؒ کا لقب ہے ۔

[2] مولانا قمر الدین بو نگویؒ خواجہ نور محمد معنویؒ کے دوست اور خواجہ غلام رسول توگیرویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ آپ کا مزار بونگہ حیات (پاکپتن) میں واقع ہے ۔

[3] توگیرہ شریف ، بہاولنگر سے قریباً ۱۱ کلومیٹر دور ، عارف والا کی طرف دریائے ستلج کے کنارے آباد ایک گاؤں ہے ۔

ختم ہوچکا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے، میں نے بیان کیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "یہ کتنے پختہ ہیں کہ اپنی بات بھی نہیں بتاتے اور ہم کتنے کچے ہیں کہ دل کی بات بھی کہہ دیتے ہیں۔" بعد ازاں فرمایا کہ تو آزاد ہے، کوئی وظیفہ نہ کر اور جو کچھ میں چاہتا تھا مجھے مل گیا اور روز بروز ترقی ہونے لگی۔[1]

خواجہ غلام رسولؒ خواجہ نور محمد معنویؒ سے بہت محبت فرماتے تھے اور کبھی کوئی کام نہ کرنے دیتے، ایک مرتبہ آپ کوئی کام کرنے لگے تو حضور فیاض عالم نے فرمایا: "مولوی صاحب تم وہی کام کرو جس کے لیے اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے۔"[2] حضور فیاض عالم آپ کو اکثر مولوی معنوی کہہ کر پکارتے۔ جب بھی آپ الوداع ہوتے تو حضور فیاض عالم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ فیاض عالم آپ کے افعال و احوال کو قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ سے تشبیہ دیتے تھے اور اسی وجہ سے آپ کو نور محمد ثانی کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمھارے سب کام میرے قبلہ عالم کی طرح ہیں، وہ بھی سارا دن لوگوں کے جھگڑے نبٹاتے تھے اور عشاء کی نماز دیر سے پڑھتے تھے اور کئی صفات گنوائیں۔ ایک روز کسی نے فیاض عالم سے پوچھا کہ آپ ہر وقت مولوی صاحب مانیکی والے[3] کی بہت تعریف کرتے ہیں، کیا وہ اتنے ہی کامل ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر ان کا کوئی اور پیر ہوتا تو میں ان کی صحبت میں بیٹھتا۔[4] ایک روز آپ کی زوجہ نے آپ سے پوچھا کہ آپ جو ہر وقت مانیکی والوں کی تعریف کرتے رہتے ہیں، ان کی ذات کیا ہے تو آپ نے فرمایا: "آہیر، جہاں دا پیر۔"[5]

تذکرہ مشائخ توگیرہ شریف میں خواجہ غلام رسولؒ کے جو مکتوبات درج ہیں ان میں جو مکتوبات خواجہ نور محمد معنویؒ کے نام ہیں، ان میں خواجہ غلام رسولؒ آپ کو ان الفاظ سے مخاطب فرماتے ہیں: "بجناب فیض مآب برخوردار، نور الابصار،

---

[1] انوار الاسرار، خواجہ عبد الحلیمؒ، قلمی، ص ۴۰

کرامات حضرت خواجہ نور محمد معنویؒ، ص ۱۸-۲۱

[2] ایضاً، ص ۲۷

[3] مانیکی، دیپالپور کا ایک گاؤں ہے، جسے نکی مانیکی بھی کہا جاتا ہے، یہ حویلی لکھا سے ہیڈ سلیمانکی کی طرف جاتے ہوئے تقریباً ۱۳ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ خواجہ نور محمد معنویؒ نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ یہیں گزارا اور وصال کے بعد یہیں مدفون ہوئے۔

[4] مجالس نوری، مولوی گل محمد، مرتبہ صاحبزادہ مقصود احمد صابری، مکتبہ اسلامیات، لاہور، ص ۲۴۴، ۲۴۵

[5] مجالس نوری، ص ۱۶۰

راحتِ دیدہ دل و جاں ، نورِ چشم بصیرت ، بصیرتِ قلب ، مونس روح رواں ، عارف کامل ، آگاہ معارف واقف رموزِ دقائق ، حضرت مولوی نور محمد معنوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ الیٰ یوم الدین ۔"[1] اس سے ہی آپ کی عظمت کا اندازہ لگا ئیے ۔

خواجہ محمد شریفؒ[2] فرماتے تھے کہ خواجہ نور محمد معنویؒ سانولی رنگت رکھتے تھے اور خواجہ غلام رسول توگیرویؒ سفید اور خوبصورت تھے ، لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ جب یار کا رنگ پوری طرح چڑھ چکا تھا ، جب دونوں حضرات اکٹھے بیٹھے ہوتے تو پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ کون خواجہ غلام رسول ہیں اور کون خواجہ نور محمد ۔

منقول ہے کہ کسی نے خواجہ غلام رسول توگیرویؒ کے وصال کی جھوٹی خبر پھیلا دی ، تمام لوگ اس خبر سے نہایت پریشان ہوئے ۔ آپ کے مریدین خاص بنگہ حیات[3] میں جمع ہوئے اور وہاں سے غمگین حالت میں توگیرہ شریف کی طرف روانہ ہوئے ، جب توگیرہ شریف کے نزدیک پہنچے تو حضور فیاض عالم کی خیریت کا علم ہوا تو جان میں جان آئی ۔ جب سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ خواجہ نور محمد معنوی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا : "مولوی صاحب ! چند دن سے میں بے قراری اور اضطراب کی حالت میں ہوں ، کسی لمحے چین نہیں ملتا ، لیکن جب میں تمہاری طرف (تمھارے علاقے کی طرف) منہ کرتا ہوں تو مجھے تمہاری خوشبو پہنچتی ہے اور میرے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تم میرے پاس آئے ہو ۔"

پھر آپ نے خواجہ نور محمد معنویؒ اور مولانا قمر الدینؒ کو خلافت عطا فرمائی ۔ مولانا قمر الدینؒ نے بیعت لینا شروع کر دیا تھا لیکن خواجہ نور محمد معنویؒ نے ایک دو لوگوں کو بیعت کیا اور پھر بیعت لینا چھوڑ دی ۔ جب خواجہ عبد الحلیمؒ نے وجہ دریافت فرمائی ، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے مثنوی رومی سے فال نکالی ہے ، اور پھر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی :

---

[1] تذکرہ مشائخ توگیرہ شریف ، خواجہ الٰہی بخشؒ و خواجہ عبد الحلیمؒ ، انجمن فخریہ توگیرویہ ، توگیرہ شریف ، ص ۲۹۵

[2] خواجہ محمد شریفؒ خواجہ نور محمد معنویؒ کے مرید و خلیفہ خواجہ احمد شاہ قلندرؒ کے مرید و خلیفہ اعظم تھے ۔ آپؒ ۱۹۲۴ء کو ٹھاکرہ (حویلی لکھا ، دیپالپور) میں پیدا ہوائے اور ۸ محرم ۱۴۲۲ھ / ۱۳ اپریل ۲۰۰۱ء کو وفات پائی ۔ آپ کا مزار شمس آباد (پاکپتن) میں واقع ہے ۔ آپؒ کی تصانیف میں اسرار احمدی ، مجموعہ توحیدی اور تحفۂ عاشقاں شامل ہیں ۔ اسرار احمدیہ اور تحفۂ عاشقاں فی الحال غیر مطبوعہ ہیں ۔

[3] بنگہ حیات پاکپتن کا قصبہ ہے جو دیپالپور سے پاکپتن کی طرف جاتے ہوئے ۲۴ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے ۔

شیر، بھیڑیے اور لومڑی تینوں نے مل کر ایک بیل، بکری اور خرگوش کا مل کر شکار کیا۔ شیر نے بھیڑیے کو کہا کہ تقسیم کرو، تو بھیڑیے نے حصہ بمطابق جثہ، بیل شیر کے لیے، بکری اپنے لیے اور خرگوش لومڑی کے لیے مقرر کیا، شیر کو غصہ آیا اور اس نے بھیڑیے کو طمانچہ مار کر جان سے مار ڈالا، پھر لومڑی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ تو تقسیم کر۔ لومڑی نے عرض کیا کہ حضور! بیل تو آپ کا صبح کا کھانا ہے، بکری دوپہر اور خرگوش شام کا۔ یہ سن کر شیر بہت خوش ہوا اور کہا کہ تجھے یہ تقسیم کس نے سکھائی ہے تو لومڑی نے کہا کہ بھیڑیے کی سرزنش میری استاد ہے، شیر خوش ہوا اور تمام شکار لومڑی کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ شیر کے شکار کو اس کے سامنے تقسیم کرنا اس کو غصہ دلانے کے مترادف ہے، اس لیے میں نے بیعت لینی چھوڑ دی۔ اور آپ نے حضور فیاض عالم کی حیات میں کسی کو مرید نہیں کیا۔[1]

خواجہ عبدالحکیم نوریؒ[2] فرماتے ہیں کہ جب حضرت معنوی کو خلافت ملی تو خواجہ غلام رسول توگیرویؒ نے فرمایا کہ تمہاری خلافت کا دائرہ اختیار دریا کے کنارے تک ہے۔ محفل میں موجود میاں غلام حیدرؒ[3] نے خواجہ غلام رسولؒ کی خدمت میں عرض کیا غریب نواز، دریا کے کنارے تک یا سمندر کے کنارے تک تو خواجہ غلام رسولؒ نے فرمایا کہ چلو جی سمندر کے کنارے تک سہی۔[4]

مجالس نوری کی روایت کے مطابق جب آپ نے گنگوہ شریف کا دورہ کیا تو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ملاقات بھی کی، دونوں حضرات کی کافی طویل ملاقات رہی۔ گفتگو کے دوران حضرت معنوی نے مولانا سے فرمایا کہ اب میں نے بیعت لینی چھوڑ دی ہے کیوں کہ میرے مریدوں کا پہلا حال بگڑ گیا ہے، شاید میں ناقص الحال ہوں، مولانا نے فرمایا کہ غم نہ

---

[1] کرامات حضرت خواجہ نور محمد ثانی معنویؒ، ص ۲۹، ۳۰

[2] خواجہ عبدالحکیم نوری، خواجہ نور محمد معنویؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء کو جسوکی (دیپالپور) میں پیدا ہوئے اور ۳ شوال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۱ء کو وصال فرمایا۔ آپ کا مزار منڈی صادق گنج (بہاولنگر) میں ہے۔ آپ کی تصانیف میں بیعتِ رضوان، درد دل اور ولولۂ عشقیہ شرح شجرہ چشتیہ شامل ہیں، بیعت رضوان اور درد دل مطبوعہ ہیں جب کہ موخرالذکر غیر مطبوعہ ہے۔

[3] خواجہ غلام حیدرؒ، خواجہ غلام رسولؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار جنڈووال (اوکاڑہ) میں ہے۔

[4] مجالس نوری، ص ۷۰

کریں بڑے بڑے کاملین کے مرید خراب ہو گئے۔ فرمایا کہ مجھے میرے ایمان کا بھی خطرہ ہے مولانا نے فرمایا کہ اللہ نے بابا فرید گنج شکرؒ سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں تیرا اور تیرے مریدوں کا اور تیرے مریدوں کے مریدوں کا تا قیامت ایمان کا نقصان نہ کروں گا، اگر باوا صاحبؒ کا ایمان سلامت ہے تو آپ کا اور اس فقیر کا بھی ایمان سلامت ہے۔ [1]

مولوی محمد حسین خواجہ صاحب کے گاوں کے گرد و نواح کے تھے اور مولانا کے پاس پڑھتے تھے، خواجہ صاحب کے جانے کے بعد انھوں نے مولانا سے پوچھا کہ وہ کس طرح کے بزرگ ہیں، مولانا نے کہا کہ تمھیں اس سے کیا، انھوں نے کہا کہ وہ ہمارے علاقے کے ہیں اس لیے پوچھ رہا ہوں۔ تب مولانا نے فرمایا کہ اس زمانے میں احاطہ پنجاب میں کوئی ولی اللہ ڈھونڈے تو ان سے بڑھ کر کوئی نہ ہوگا۔ [2]

رضوان اختر سہروردی کے مرتبہ نسخے میں درج ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے آپؒ کو صابری سلسلے کی خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ اجازت ادنیٰ کی طرف سے اعلیٰ کو نہیں ہوا کرتی لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ سے صابری سلسلے کا فیض بھی لوگوں تک پہنچے۔ [3]

ایک روز ایک قلندر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت مقام حیرت میں تھے۔ وہ مست درختوں کو دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کس کا نور ہے، یہ کس کا نور ہے۔ یہ کہتے کہتے وہ آپ کے قریب آ پہنچا اور کہا ہاں یہ اس کا نور ہے۔ آپ نے اپنے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، تب اس مست نے کہا: "ہاں بابا اللہ کے گھر کو لوٹنے کی یہی باتیں ہیں۔" [4]

---

[1] ایضاً، ص ۱۲۳

[2] ایضاً، ص ۱۲٤

[3] مجالس نوری ۲، مولوی گل محمد، مرتبہ رضوان اختر سہروردی، مخدومہ امیر جان لائبریری، نڑالی، ص ۱۱۳،۱٤۔ مقصود احمد صابری کی مرتبہ مجالس نوری میں روایت کا یہ حصہ موجود نہیں۔

[4] کرامات حضرت خواجہ نور محمد مغنویؒ، ص ۵۰

خواجہ عبدالحکیم نوریؒ فرماتے ہیں آپ کبھی پیسوں کو ہاتھ نہ لگاتے تھے ، ماسوائے دو موقعوں کے ، ایک جب آپ پاکپتن تشریف لے جاتے تو خادم سے روپیہ مانگتے تو اس وقت ہاتھ لگاتے اور دوسرا جب کبھی آپ کے پاس کسی درویش کا صاحبزادہ آجاتا تو آپ خادم سے ایک روپیہ لے کر اپنے ہاتھوں سے نذر پیش کرتے ۔ اس کے علاوہ کوئی اگر کوئی شخص نذر پیش کرنا چاہتا تو آپ فرماتے کہ خادم کو دے دو مگر بذات خود کبھی ہاتھ نہ لگاتے ۔[1]

مزید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت پیر جہاں کے مریدوں کو صاحب عشق و وفا اور اہل ذوق و صفا پایا اور آپ کے مقام کو ایسا معلوم کیا کہ گویا عشق کی شعاع زمین سے آسمان تک جاتی ہے اور ہمیشہ اس کے ارد گرد صاحب جذبہ لوگ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپتے دیکھے ۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ اگر آپ کی کسی پر نظر شفقت پڑ جاتی تو وہ وجد میں آجاتا اور اگر کوئی شخص عشق مجازی میں مبتلا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اسے پھر مجاز کی طرف نہ جانے دیتے بل کہ حقیقی عشق سے سرشار فرما دیتے ۔[2]

جب کبھی آپ حالتِ استغراق میں ہوتے تو بعض اوقات آپ سے شطیحات سرزد ہو جاتیں ، ایک روز عالم سکر میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے : "میری روح سارے جہان میں جاری ہے ۔ "

۱۳۰۱ھ میں جب آپ حضور گنج شکرؒ کے عرس سے واپس آئے تو آپ عالم سکر میں چلے گئے ، آپ پر ہر وقت غلبۂ استغراق رہتا اور آپ کو کسی شے کی کوئی خبر نہ رہتی ، حتیٰ کہ نماز کی بھی ۔ ایک خادم وضو کرواتا اور نماز کے وقت نزدیک کھڑا ہو کر عرض کرتا کہ اب رکوع کریں ، اب سجدہ کریں ، اسی طرح ہر نماز خادم کی معروضات پر ادا کرتے اور نماز پڑھنے کے بعد پھر استغراق کا غلبہ ہو جاتا ۔ جب دوبارہ نماز کا وقت آتا تو دوبارہ خادم عرض کرتا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے ، آپ سر بلند کرتے اور پوچھتے کہ کیا وقت ہے اور کونسی نماز ہے ۔ پھر خادم وضو کرواتا ، اگر خادم پاس نہ ہوتا تو تمام کوزہ ایک ہی عضو پر استعمال کر لیتے اور آپ کو خبر نہ ہوتی کہ کون سا عضو دھو چکا ہوں اور کونسا نہیں ۔ حتیٰ کہ یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ

---

[1] مجالس نوری ، ص ۱۶۱

[2] کرامات حضرت خواجہ نور محمد ثانی معنویؒ ، ص ۳۲

دن ہے یا رات، کون آیا، کون گیا۔ ہمیشہ سر نیچے کیے ہوئے مستغرق رہتے، نہ کھاتے اور نہ پیتے، خدام ہی ہمت کر کے کچھ کھلاتے تو کھلاتے۔[1] اس دور میں آپ نے پھر سے لوگوں کو مرید کرنا چھوڑ دیا تھا۔

آپ اکثر سماع مزامیر کے بغیر سنتے، شاذو نادر مزامیر کے ساتھ بھی سن لیتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ عشاء کے بعد سوتے وقت آپ کو بے قراری طاری ہوتی تو فرماتے کہ کچھ سناؤ، حاضرین سماع شروع کر دیتے اور جب حضور کو نیند آ جاتی، تو وہ خاموش ہو جاتے۔ پھر جب آپ کی آنکھ کھلتی تو بے قرار ہو جاتے اور فرماتے کہ گاؤ! اور کبھی کبھار خود بھی ساتھ گانے لگ جاتے۔ مرزا صاحباں نہایت شوق سے سنتے تھے۔ خواجہ عبدالحکیمؒ فرماتے ہیں کہ آپ یہ بیت کثرت سے سنتے تھے:

طالب ہو گئی عشق دی نہ ہن ہور طلب

گھر کھیوے دے صاحباں کیتا عشق سبب

نہ ایہہ کلمہ کفر دا، نہ ایہہ ترک ادب

میں مرزے دی بندی ہاں، مرزا میرا رب[2]

آپ فرماتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے درویش کو کوشش کرنی چاہیے کہ عشق کی آگ کو اندر ہی رکھے، کیوں کہ اگر اسے باہر نکال دیا تو آدمی خالی ہو گیا، جو درویش ایسا کرتے ہیں ان کا ذوق بعد میں خراب ہو جاتا ہے۔[3] آپ نے اور آپ کے خلفاء نے سلسلہ چشتیہ کی توسیع اور اشاعت کے لیے بھرپور کام کیا، آپ کے خلفاء میں خواجہ عبدالحلیم توگیرویؒ، خواجہ محمد مرادؒ (برادرِ حضرت)، خواجہ سلطان محمود نوناریؒ، خواجہ احمد شاہ قلندرؒ، خواجہ عبدالحکم نوریؒ، خواجہ محمد عبداللہؒ

---

[1] مجالس نوری، ص ۵۹-۶۱

[2] کرامات حضرت خواجہ نور محمد ثانی معنویؒ، ص ۳۴-۳۶

[3] ایضاً، ص ۵۷

(والد خواجہ عبد الحکیم نوریؒ)، خواجہ ولی محمدؒ (پسرِ حضرت) خواجہ غوث محمدؒ، خواجہ غلام حیدرؒ، خواجہ نور سمندؒ، خواجہ ہاشم شاہؒ، خواجہ احمد شاہؒ اور خواجہ امام دینؒ کا نام آتا ہے۔

آپ کے تین فرزند تھے، شیخ محمدؒ، علی محمدؒ اور ولی محمدؒ۔ جن میں سے ولی محمدؒ آپ کے سجادہ نشین ہوئے، شیخ محمد اور علی محمد آپ کے ساتھ مزار ہی میں دفن ہیں جب کہ ولی محمدؒ قریب ہی ایک حجرے میں مدفون ہیں۔ آپ کا وصال ٤ ذیقعدہ ١٣٠٤ھ / ۱۳ اگست ۱۸۸۷ء بروز منگل، عصر کے وقت ہوا۔[1] آپ کا مزار نکی مانیکی میں ہے۔

---

[1] کرامات حضرت خواجہ نور محمد ثانی معنویؒ، ص ۵۸

تذکرہ باباجی عُمرا خان سواتی چشتی قادری

ڈاکٹر محمد کاشف اقبال قادری

ابتدائی تعارف: باباجی سوات والے؛ آپ کا نام عُمرا خان بن محمد کرم خان ہے۔ آپ سوات کے ایک گاؤں باسیرا میں پیدا ہوئے۔ آج کل آپ کا مسکن مینگورہ ہے۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت ستر سال سے اوپر ہے (یہ ستمبر ۲۰۲۱ء کی ہے)۔ آپ ایک اُمی بزرگ ہیں۔ آپ کی تعلیم وہی ہے جو آپ نے بزرگوں کی صحبت سے حاصل کی ہے۔ آپ تقریباً بیس سال کی عمر میں اپنے مرشد پاک سے ملے اور پھر ساری زندگی آپ کے ساتھ رہے۔ ایک دن آپ نے فرمایا: میں نے چالیس سال اپنے مرشد کی خدمت کی ہے۔

پیر و مرشد: باباجی عُمرا خان خان چشتی قادری قلندری المعروف باباجی سوات والے نے اپنے وقت کے صاحبِ حال بزرگ حضرت ابو اللیث المعروف دیوانہ بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست اقدس پر بیعت کی اور سلوک کی منازل طے کرنے کے بعد خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔[1]

دیوانہ بابا کا گھرانہ علما و صالحین کا گھرانہ تھا۔ آپ کے والد اور دادا دونوں عالم دین تھے۔ دیوانہ بابا خود بھی حافظ قرآن، اپنے وقت کے جید عالم دین اور شیخ الحدیث تھے۔ آپ نے بیس سال درس و تدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔ دیوانہ بابا کے بیٹے اور پوتے بھی آگے سے عالم دین اور حافظ قرآن ہیں۔ حضرت پیر جمال الدین قادری آپ کے پوتے ہیں۔

دیوانہ بابا کے مشاغل اور شوق: دیوانہ بابا کو اللہ تعالیٰ نے ۲۴۰ برس کی طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ آپ کو مساجد تعمیر کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں کم و بیش ۵۰۰ مساجد تعمیر کرائیں۔ اسی طرح پہاڑوں میں ۱۰۰ سے زائد چشمے قائم کیے۔ آپ قصیدہ بردہ شریف کے زبردست عامل تھے۔ قصیدہ بردہ شریف پڑھ کر پتھر پر پھونک مارتے تو وہ ٹوٹ جاتا اور چشمہ جاری ہو جاتا۔ مساجد اور چشموں کے ساتھ راستے بنانا بھی آپ کا خاص مشغلہ تھا۔

---

[1] اس مضمون میں بیان کی گئی اکثر دیگر باتوں کی طرح دیوانہ بابا کی سیرت مبارکہ سے متعلق تحریر کی گئی تمام باتیں فقیر نے باباجی سوات والے سے خود سُنی ہیں۔

آپ کو دلائل الخیرات شریف سے بھی خاص محبت تھی۔ یہ اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ آپ روزانہ پانچ مرتبہ دلائل الخیرات شریف ختم کیا کرتے تھے۔ درود شریف کے صیغوں پر مشتمل قصیدہ بردہ شریف اور دلائل الخیرات شریف کی یہ محبت ثابت کرتی ہے کہ آپ کو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات پاک سے بہت زیادہ عشق تھا۔

آپ نے ۲۴ سال جنگل میں ریاضت و مجاہدہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی عبادت کی اور مختلف انعامات سے نوازے گئے۔ آپ کو زمین کا زبردست کشف حاصل تھا۔ زمین کے نیچے کے حالات بیان کر دیا کرتے تھے۔ اسی کشف کی بنیاد پر آپ نے بہت سی قبور کی نشاندہی بھی فرمائی تھی۔

دیوانہ بابا کی روحانی نسبتیں : دیوانہ بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے سلسلہ چشتیہ قلندریہ سے تعلق رکھنے والے شیراترپ سوات کے ایک بزرگ حضرت سید علی المعروف سُنڈیا بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ [1] کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کی منازل طے کیں۔ اگرچہ آپ بنیادی طور پر سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر آپ نے حضور غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے اویسی حکم پر سلسلہ قادریہ کے مشائخ سے بھی استفاضہ کیا اور یوں آپ چشتی قادری قلندری کہلائے۔ آپ سلسلہ قادریہ مجددیہ [2] کے عظیم شیخ غوثِ وقت، مجاہدِ اسلام و شیخ الاسلام حضرت عبدالغفور اخوند قادری المعروف سیدو بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ [3] کی زیارت سے فیض یاب ہوئے اور آپ کے خلیفہ پاسانے بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سبق بھی حاصل کیا۔ اسی طرح آپ نے سیدو بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے سب سے مشہور و خاص خلیفہ حضرت نجم الدین

---

[1] آپ کا مزار شریف شیراترپ میں واقع ہے۔ قبر مبارک کے کتبے پر تحریر ہے : امام الاولیاء سیدنا مرشدنا جناب سید علی المعروف سُنڈیا باباجی شہید، ۹۵ سلسلوں کے خلیفہ خصوصاً چشتیہ قادریہ قلندریہ سہروردیہ نقشبندیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ

[2] یہ سلسلہ قادری طریق میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے واسطے سے حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے جا ملتا ہے اس لیے اس سلسلے کو قادریہ مجددیہ کہتے ہیں۔ مشہور صوفی بزرگ برکت علی لدھیانوی فیصل آبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا تعلق بھی اسی سلسلہ قادریہ مجددیہ سے ہے۔

[3] حضور والی سوات شیخ الاسلام خواجہ عبدالغفور اخوند قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ متوفی ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۷ء اپنے عہد کے قطب کبیر اور عظیم مجاہد تھے۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا اور انتہائی دیدہ دلیری سے انگریزی افواج کا مقابلہ کیا۔ ضلع گجرات میں آپ کے خلیفہ حضرت سلطان قاضی محمود آوانی ہیں۔ آپ کا مزار شریف آوان شریف میں واقع ہے۔ سیدو بابا کے ساتھ نسبت کی وجہ سے باباجی سوات والے قاضی صاحب کے مزار شریف پر بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ خصوصی حاضری دیتے ہیں۔

هڈے بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ [1] کے خلیفہ حضرت فضل واحد قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے بھی سلسلہ قادریہ کا خصوصی فیضان حاصل کیا اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ بقول باباجی سوات والے : حضرت فضل واحد قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ حضرت دیوانہ بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے قادری مرشد ہیں اور دیوانہ بابا نے باقاعدہ آپ کے ہاتھ پر قادری سلسلے میں بیعت کی تھی۔ اسی سلسلہ عالیہ سے نسبت و ارادت کی بنا پر باباجی سوات والے کے مریدین سیدو بابا اور هڈے بابا والے قادری سلسلے کا شجرہ طریقت ہی پڑھتے ہیں۔ [2] دیوانہ بابا کی ایک روحانی نسبت خضری بھی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی روحانی فیض حاصل کیا ہے۔

ذکر کی محافل

اللہ رب العزت سے محبت کرنے والے سالکین اللہ تعالی کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں کہ یہ ان کے رب کا حکم ہے۔ رب العالمین قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے :

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا [3]

اے ایمان والو اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو۔

اسی طرح قرآن میں پاک میں مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور لیٹ کر ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] هڈے بابا بھی اپنے مرشد سیدو بابا کی طرح عظیم روحانی بزرگ ہونے کے ساتھ ایک عظیم مجاہد بھی تھے۔ آپ اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد ۱۸۷۷ء سے ۱۹۰۲ء تک تقریباً ۲۵ سال تک ان تمام لڑائیوں میں شریک رہے جو انگریزوں اور قبائلی مسلمانوں کے درمیان ہوئیں۔ آپ ۱۹۰۲ء میں ۲۱ رمضان المبارک کو اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ آپ کا مزار مبارک هڈہ شریف جلال آباد افغانستان میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ (مراۃ الاقطاب از جان محمد جان پیر سباقی، ادارہ پیغام القرآن، لاہور، ص، ۶۰۴، ۵۹۷)

[2] فقیر نے اس شجرے کی نقل باباجی کے خادم خاص المعروف قادری صاحب سے حاصل کی ہے اور قادری صاحب نے یہ شجرہ طریقت باباجی کے خلیفہ حاجی عبدالرزاق سے حاصل کیا تھا۔ فقیر نے باباجی سے خود بھی اس شجرے کی تصدیق کرائی ہے۔

[3] الاحزاب : ۴۱

اَلَّذِیۡنَ یَذۡكُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ [1]

وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹے ہوئے

ذکر الٰہی کرنا اللہ رب العزت کے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

حدیث قدسی

مشہور حدیث قدسی ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ ان الله عز وجل یقول: انا مع عبدی اذا هو ذکرنی و تحرکت بی شفتاه

میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کے لیے حرکت کرتے ہیں [2]

حدیث نبوی

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عز وجل إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ۔ [3]

''جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیۓ بیٹھتے ہیں انھیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی انھیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ (سکون و اطمینان) کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنی بارگاہ کے حاضرین میں کرتا ہے۔''

اقوال صوفیہ:

---

[1] آل عمران: ۱۹۱

[2] سنن ابن ماجہ: ۳۷۹۲

[3] صحیح مسلم: ۲۷۰۰

عارف باللہ سیدی عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں :

''الذکر ھو التخلص من الغفلة والنسیان بدوام حضور القلب مع الحق''[1]

ذکر الٰہی کی برکت سے انسان کو غفلت اور نسیان سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے اور حق کے ساتھ دائمی طور پر حضور قلب کی نعمت عطا ہوتی ہے

امام قشیری ''رسالہ قشیریہ'' میں حضرت استاذ ابو علی الدقاق رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں :

''والذکر رکن قوی فی طریق الحق سبحانہ وتعالی، بل ھو عمدۃ فی ھذا الطریق، ولا یصل احد الی اللہ الا بدوام الذکر''[2]

ذکر طریقِ حق کا مضبوط رکن ہے اور اس راہ میں انسان کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ کوئی بھی شخص دائمی ذکر کے بغیر اللہ تعالی تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرتِ درویش بابا عُمرا خان چشتی باباجی سوات والے، دیوانہ بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے باکمال نائب اور سچے خلیفہ ہیں۔ آپ واقعی صحیح معنی میں ایک فقیر اور درویش ہیں؛ جن کی زندگی اللہ رب العزت کے ذکر کے لیے وقف ہے۔ آپ کو اللہ پاک کے ذکر سے خاص لگاؤ اور محبت ہے۔ آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ کی زندگی کا مقصد ہی اللہ پاک کا ذکر کرنا ہے۔ آپ کو جب بھی دیکھیں، آپ اکثر ذکر الٰہی میں ہی مشغول ہوتے ہیں۔ آپ روزانہ دو مرتبہ دلائل الخیرات شریف کا مکمل ورد کرتے ہیں۔ آج بھی سوات اور گجرات میں اللہ پاک کے کرم سے انفرادی اور اجتماعی طور پر ذکر اللہ کی محفلیں آپ کی برکت سے قائم ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ ہر جمعۃ المبارک کو سیدو بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مزار شریف پر جمعہ کی نماز کے بعد ذکر کی محفل سجاتے ہیں جس میں اہل علاقہ سمیت دور دراز کے علاقے کے لوگ شرکت کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ گجرات میں بھی آپ کے خلیفہ حاجی عبدالرزاق چشتی قادری قلندری رحمۃ

---

[1] شاذلی، شیخ عبدالقادر عیسی، حقائق عن التصوف، دار التقوی، دمشق، سنہ ۲۰۱۷ء، ص ۱۲۲

[2] قشیری، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۶

اللہ تعالی علیہ کے سالانہ عرس کے موقع پر ہر سال باباجی کی زیر سرپرستی میں ذکر کی محفل سجائی جاتی ہے.جس میں کثرت کے ساتھ لوگ شامل ہوکر اللہ جل شانہ اوراس کے رسولِ پاک ﷺ کا ذکر کرنے کی سعادت حال کرتے ہیں۔

ذکر کی ایک خاص محفل

الحمدللہ ۲۳ ستمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعۃ المبارک باباجی کے ساتھ اللہ پاک کے ذکر کی ایک خاص روحانی اوریادگار محفل میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جامع مسجد خواجہ پیر محبوب الرحمٰن [1] زیب کالونی میں ہر ماہ کے چوتھے جمعۃ المبارک کو ذکر کی محفل منعقد ہوتی ہے،.جس میں پہلے درود شریف پڑھا جاتا ہے اور پھر اسم ذات ''اللہ ھو'' کا ذکر بالجہر کیا جاتا ہے۔ اس روز یہ محفل باباجی کی سرپرستی میں منعقد ہوئی۔ مسجد کی محراب سے بالکل متصل منبر سجا ہوا ہے، اس کے ساتھ کمر لگا کر نیچے زمین پر اللہ کے ولی باباجی سوات والے تشریف فرما ہیں۔ چہرہ اور پیشانی کشادہ ہے، چہرہ مبارک پر سفید رنگ کی گھنی داڑی شریف سجائی ہوئی ہے۔ گلے میں موٹی لکڑی کی تسبیح پہنی ہوئی ہے۔ سر پر سبز عمامہ شریف باندھا ہوا ہے۔ جبہ نما کالے رنگ کا لباس پہنا ہوا ہے۔ اوپر درویشوں والی سادہ سی سبز رنگ کی ویسٹ کوٹ پہنی ہوئی ہے۔ چارزانوں تشریف فرما ہیں اوراپنی ٹانگوں پر سبز رنگ کی چادر لے کر پردہ سا کیا ہوا ہے اوراونچی آواز کے ساتھ اللہ ھو کا ذکر کیا جارہا ہے۔

ایک سچے درویش کے ساتھ مل کر ذکر کرنا بھی کیا ہی سعادت کی بات ہے۔ ذکر کے دوران عجیب جذب والی کیفیت تھی۔ ذکر کے بعد دل میں ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔ اللہ کے ذکر کی ایسی تاثیر تھی کہ محفل کے بعد بھی کافی دیر دل میں ذکر کی لذت محسوس ہوتی رہی، یہاں تک کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ایسی محافل گجرات میں کہاں کہاں ہوتی ہوں گی کہ میں ان میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکوں۔ محفل کے اختتام پر باباجی نے مجھے فرمایا کہ انھیں ذکر کے دوران خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی زیارت نصیب ہوئی، ان کی آپ کی طرف توجہ تھی اسی لیے ذکر میں

---

[1] اس مسجد کی بنیاد ڈاکٹر غلام مصطفی نقش بندی مجددی نعیمی صاحب نے اپنے پیر و مرشد خواجہ پیر محبوب الرحمن نقش بندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ راول پنڈی عیدگاہ شریف والے کے نام پر رکھی۔ ڈاکٹر صاحب خواجہ صاحب کے مرید باصفا اور حضرت مولانا مفتی محمد طفیل نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ مسجد ھذا کے بانی، مہتمم اور خطیب ہیں۔ الحمد للہ آپ بڑے ذوق اور شوق سے اس مسجد میں وقتاً فوقتاً ذکر کی محافل منعقد کرتے رہتے ہیں۔

بہت مزہ آیا۔ فرمانے لگے آپ یہ ذکر کیا کرو کیوں کہ خواجہ غریب نواز نے اس ذکر کے دوران جھلک لگائی ہے لہذا یہ ان کی طرف سے منظوری ہے۔ آپ نے بعد میں مجھے اسم ذات : ''اللہ ھو'' کا ذکر کرنے کا طریقہ بھی سکھایا۔ فقیر نے اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایسی بابرکت محفل عطا فرمائی۔ واقعی یہ ایک روحانی محفل تھی اور ذکر کا بھی بہت زیادہ لطف آیا۔ فقیر اس محفل کو ساری زندگی یاد رکھے گا۔

صاحب توجہ بزرگ

باباجی ایک صاحب جذب و عشق بزرگ ہیں۔ آپ کی دعا اور توجہ میں اللہ پاک نے تاثیر رکھی ہے۔ آپ جس کو ذکر اللہ کی تلقین کرتے ہیں اور پھر اس کے لیے دعا کرتے ہیں تو اس کے دل میں اللہ تعالی کے پاک حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کا عشق نازل ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ اور یہ میرا بارہا کا تجربہ ہے کہ جب بھی آپ نے توجہ اور دعا فرمائی عشق نازل ہوا ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ عزوجل۔

چند سال قبل جب پہلی دفعہ آپ نے اس فقیر کو ذکر اللہ کی تلقین کی اور توجہ فرمائی تو بہت پیاری اور محبت رسول والی کیفیات شروع ہوئیں۔ فقیر حیران تھا کہ ذکر اللہ کا کرتا ہوں محبت اس کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کی آتی ہے۔ عجیب بات ہے۔ پھر جب باباجی سے ملاقات ہوئی تو میرے پوچھے بغیر خداداد بصیرت سے کام لیتے ہوئے خود ہی ارشاد فرمانے لگے :

''درود شریف پڑھیں تو اللہ کا عشق آتا ہے اور اللہ کا ذکر کریں تو نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کا عشق آتا ہے۔ ''

یہاں مجھے واصف علی واصف صاحب کا جملہ یاد آگیا :

''اللہ پاک کے پاس جائیں تو اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کا تعارف کراتا ہے اور اس کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس جائیں تو وہ اللہ پاک کا تعارف کراتے ہیں''

آپ کی دعاے عشق

آپ فقیر کو اکثر عشق کی دعا دیتے ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں فقیر ہر جمعہ کی نماز کے بعد آپ کو کال کرتا ہے تو آپ مجھے دعاؤں سے نوازتے ہیں۔ اس میں یہ دعا بہت پیاری ہوتی ہے کہ اللہ پاک آپ کو اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کا عشق عطا فرمائے۔[1]

حرمین شریفین کی حاضری

باباجی دو دفعہ حرمین شریفین حاضر ہوئے اور حج کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ سفر حج کے دوران آپ نے غار حرا اور غار ثور کی زیارت بھی کی۔ مجھے خود ارشاد فرمایا کہ میں جب غار حرا پر حاضر ہوا تو میں نے قصیدہ بردہ شریف پڑھا۔ پھر فرمانے لگے کہ یہ جتنے بھی چِلّے کاٹے جاتے ہیں یعنی خلوت میں اللہ پاک کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی اصل سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کا یہی عمل ہے کہ آپ ﷺ غار حرا میں تشریف لا کر تنہائی میں اللہ پاک کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اعتکاف

آپ نے بیس سال سیدو بابا کے مزار پر رمضان شریف میں اعتکاف کیا۔ اسی طرح آپ نے تین سال حضرت شاہدولہ صاحب گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار شریف پر اعتکاف کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے دو سال دھونکل وزیر آباد میں حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقام و چلہ گاہ پر اعتکاف کیا ہے۔ حضرت سخی سرور کے مقام پر آپ نے ایک چلہ بھی کاٹا۔ اس چلے کے دوران آپ نے حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اویسی طور پر شرف ملاقات حاصل کیا۔ اسی طرح شاہدولہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی آپ کی روحانی ملاقات ہوتی رہی ہے اور آپ حضرت شاہدولہ سے اویسی طور پر فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔

کشف و کرامات

---

[1] یہ اُس وقت کی بات ہے جب باباجی ظاہری طور پر حیات تھے اور بنیادی طور پر یہ مضمون ان کی زندگی میں ہی تحریر کیا گیا تھا۔ اُن کے وصال کے بعد اب اس میں معمولی سی ترامیم کی گئی ہیں۔

باباجی عُمرا خان ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ ہیں۔ آپ کو کشف قلوب و قبور دونوں حاصل ہیں۔ کشف قلوب کا تجربہ تو ہم تقریباً ہر ملاقات میں کرتے ہی رہتے ہیں۔ آپ ہمارے ذہنوں میں موجود خیالات کے مطابق خود ہی کلام فرماتے جاتے ہیں۔ ایک دن آپ اپنے خلیفہ حاجی عبدالرزاق چشتی قلندری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مزار شریف پر ذکر کی محفل اور نماز مغرب ادا کرنے کے بعد تشریف فرما تھے کہ میں بالکل آپ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ دوران گفتگو حضرت شاہدولہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا ذکرِ خیر ہوا تو فرمانے لگے: شاہدولہ بابا بہت بڑا مرشد ہے۔ میں نے عرض کیا کبھی ملاقات بھی ہوا ہے، تو فرمانے لگے ہاں ملاقات بھی ہوا ہے۔ پھر میرے ہی پوچھنے پر آپ نے شاہدولہ بابا کا حلیہ بیان فرمایا کہ آپ کی داڑھی بڑی ہے اور سر پر عمامہ شریف باندھتے ہیں۔ دوران گفتگو ہی میں نے عرض کیا : کیا کبھی داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے بھی ملاقات ہوئی، فرمانے لگے داتا صاحب کے مزار پر تو ملاقات نہیں ہوا لیکن سوات میں ملاقات ہوا، جب میں پڑھائی یعنی ذکر کرتا ہوں اس وقت۔ پھر آپ نے مزید برصغیر پاک و ہند کے اکابر اولیاء اللہ کا نام لیا کہ جن سے آپ کو روحانی طور پر شرف ملاقات حاصل ہوا۔[1]

عاجزی وانکساری

آپ خالصتاً محبت کرنے والے، ایک عاجز درویش اور جمالی فقیر ہیں۔ فقیر نے آپ کو کبھی بھی جلال میں نہیں دیکھا، جب بھی دیکھا عجز و انکسار میں ہی دیکھا۔ ہم جیسے گناہگاروں کے عیبوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دیکھا۔ صاحبِ کشف ہونے کے باوجود کبھی بھی ہمارے گناہوں پر ہمیں عار نہیں دلایا، بل کہ ہمیشہ دعاؤں سے ہی نوازا اور محبت سے پیش آئے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ جب میں نے عرض کیا کہ میری طرف توجہ فرمایا کریں تو فرمانے لگے تم میرے لیے ایسے ہو جیسے کہ میرے سینے میں موجود ہو۔ یعنی میری توجہ تمہاری طرف رہتی ہے اور میں تمھیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں۔ میں آپ سے عمر اور رتبے میں بہت ہی زیادہ چھوٹا ہوں مگر پھر بھی آپ مجھے بڑے ادب والے انداز میں پروفیسر صاحب کر کے بلاتے ہیں۔

---

[1] یہ ۲۲ ستمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات کی بات ہے۔

ملفوظات

باباجی سوات والے فرماتے ہیں : ذکر بے شک تھوڑا کیا جائے لیکن روز کیا جائے اور کسی کی اجازت سے کیا جائے۔ پھر اس کے لیے دودھ کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ دودھ جتنا مرضی زیادہ ہو وہ دہی تب ہی بنے گا جب اس کو دہی کی جاگ لگائی جائے گی۔ دہی کی جاگ کے بغیر دودھ دہی نہیں بن سکتا۔

ایک دن مجھے فرمایا : عشا کی نماز کے بعد کم از کم دس نفل اور زیادہ سے زیادہ سو نفل نماز ادا کیا کرو یہ درویشوں کا طریقہ ہے اور اس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا : عشاء کی نماز کے بعد ۱۰۱ مرتبہ سورۃ اخلاص شریف پڑھا کرو اس کی برکت سے انسان فقر وفاقے سے محفوظ رہتا ہے۔

اسی طرح فرمایا فجر کی نماز کے بعد ۳ مرتبہ اور عصر کی نماز کے بعد تین مرتبہ سورہ تغابن شریف پڑھا کرو اور پڑھ کر دم کیا کرو اس کی برکت سے بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں استغفار وضو کی طرح ہے ، جیسے وضو کرنے سے جسم پاک ہوتا ہے اسی طرح استغفار کرنے سے روح پاک ہوتی ہے اور پھر ذکر و وظائف کرنے کا فائدہ ہوتا ہے۔

باباجی نے مجھے خلوت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ الگ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ پاک کی طرف توجہ رکھو گے تو اللہ پاک کی محبت ملے گی لیکن اگر لوگوں کے درمیان بیٹھو گے تو پھر ایسا نہیں ہوگا۔

باباجی فرماتے ہیں انسان اپنی زندگی میں جو ذکر کثرت سے کرتا ہے اس کی قبر پر بھی وہی ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔

باباجی فرماتے ہیں : اللہ ھو کا ذکر کرنے والے انسان کے جسم کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی۔

باباجی فرماتے ہیں : دولت سے دنیا ملتی ہے ، خدمت سے اللہ ملتا ہے۔

باباجی کو پنجاب کے لوگ قدرے زیادہ پسند ہیں۔ آپ فرماتے ہیں پنجاب کے لوگوں کا دل نرم ہے، یہ مانگنے والوں کو ضرور پیسے دیتے ہیں، ان میں تکبر نہیں ہے، یہ میلاد شریف پر بہت خوش ہوتے ہیں۔ باباجی فرماتے ہیں: پنجاب کے لوگ کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں اس لیے ان پر مصیبت یا عذاب نہیں آتا۔[1]

خلیفہ حاجی عبدالرزاق چشتی قادری

پنجاب میں باباجی سوات والے کے خلیفۂ خاص حضرت محبِ رسول حاجی عبدالرزاق چشتی قادری قلندری گجراتی یونائیٹڈ فلور مل والے ہیں۔ آپ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو حاجی سراج دین صاحب کے گھر بمقام کوٹلی کنڈو ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ حاجی صاحب کے دل میں جب وصول الی الرسول کی چنگاری ابھری تو آپ مختلف مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد عرض کیا مگر کامیابی حاصل نہ ہوپائی۔ آخر کار آپ ایک فقیر کے روحانی اشارے پر سوات شریف باباجی عُمرا خان چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب شروع میں ہر جمعہ سوات شریف جاکر پڑھا کرتے تھے۔ پھر سیدو بابا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے روحانی طور پر باباجی عُمرا خان کو حکم ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب کو ذکر کی تلقین کی جائے، پڑھنے کو پڑھائی دی جائے۔ تب باباجی نے حاجی صاحب کو ذکر اللہ کی تعلیم دی۔ پہلے حاجی صاحب کو پڑھائی نہیں دی جاتی تھی کیوں کہ وہ ایک امیر انسان تھے اور مال و دولت وافر تھا۔

الحمدللہ عزوجل حاجی صاحب نے پورے ذوق اور شوق کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا اور روحانیت کی منازل طے کرنے لگے۔ اسی ذکر کا نتیجہ تھا کہ اللہ پاک نے آپ کو کشف القبور عطا فرمایا تھا۔ اللہ رب العزت کی عطا سے آپ اولیاے کرام کے مزار پر حاضر ہو کر ان سے روحانی ملاقات کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر غلام مصطفی مجددی نعیمی صاحب سے میں نے خود حضرت احمد علی صابر کلیری رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور حضرت کرم الہی سرکار المعروف کانواں والی سرکار کی

---

[1] اس کی روشن مثال آستانہ عالیہ چورہ شریف کی طرف سے میلاد شریف کے موقع پر کثرت سے پڑھا گیا درود شریف ہے۔ محمد علی حسن مجددی صاحب نے ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۹ اکتوبر ۲۰۲۲ء والے دن اپنی فیس بک پر یہ اعلان نشر کیا کہ ان کے پیر خانے خیابان چورہ شریف کی جانب سے عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر ۶، ۷ کھرب ۹۳ ارب ۹۴ کروڑ ۸۸ لاکھ ۶۷ ہزار ۵ سو ۹۹ مرتبہ درود شریف کا نذرانہ سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ عالی شان میں پیش کیا گیا۔ اسی طرح شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور حاجی عبدالرزاق قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہما کا ایک کروڑ سے زائد درود شریف کا وِرد کرنا بھی اس کی روشن مثال ہے۔

حاجی صاحب سے روحانی ملاقات کے واقعات سنے۔ ڈاکٹر صاحب حاجی صاحب کے دوست تھے اور حاجی صاحب خود ان کو یہ واقعات سنایا کرتے تھے۔ حاجی صاحب نے انتہائی محبت کے ساتھ ایک کروڑ سے زائد بار درود شریف پڑھا۔ اور بالاخر وہ وقت بھی آگیا جب آپ خواب کے ساتھ جاگتے ہوئے بھی حضور سیدنا محمد حبیب اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جب راہ سلوک میں قدم رکھا تو شروع میں حاجی صاحب کا پورا خاندان آپ کے خلاف ہوگیا۔ مگر بعد میں خاندانی معاملات درست ہو گئے۔ آج ان کے خاندان والے باقاعدہ حاجی صاحب کا ان کے مزار شریف پر عرس کراتے ہیں اور اس میں ذوق اور شوق کے ساتھ شرکت بھی کرتے ہیں۔

حاجی صاحب کو اللہ پاک کے مقربین کے مزارات کی زیارت کا بہت شوق تھا۔ آپ حضرت مولانا قاری محمد اشرف نقش بندی صاحب [1] جیسے اپنے دوست احباب کے ساتھ مقربین حق کے مزارات کی زیارت کیا کرتے تھے۔ نیز آپ اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر اپنے گھر میں ذکر کی محفل بھی سجایا کرتے تھے۔ آج بھی خواجگان قبرستان گجرات میں آپ کے مزار شریف پر ہر جمعہ رات کو درود شریف کی محفل سجائی جاتی ہے۔

---

[1] مولانا قاری محمد اشرف نقش بندی صاحب گجرات کے مشہور عالم و خطیب ہیں۔ آپ ایک نیک سیرت اور نرم دل رکھنے والے مخلص بزرگ ہیں۔ آپ ۵ اجنوری ۱۹۶۰ء کو گجرات کے ایک گاؤں مہسم میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دینی تعلیم کمہاراں والی مسجد میں گجرات کے مشہور عالم دین حضرت مولانا طفیل احمد نعیمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے پاس حاصل کی۔ آپ نے شہنشاہ ولایت پیر سید ولایت علی شاہ جماعتی خلیفہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے صاحبزادے شیخ الحدیث حاجی احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے دست اقدس پر سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ جماعتیہ میں بیعت کی۔ حاجی صاحب کے وصال کے بعد قاری صاحب حضرت میاں محمد سیفی صاحب کے مبارک ہاتھ پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔ آپ نے گجرات کی مشہور تعلیمی درسگاہ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول میں تقریبا ۲۰ سال تدریس کے فرائض سر انجام دیے ہیں۔ آپ جامع مسجد گلزار حبیب اور مدرسے کے بانی و مہتمم ہیں۔ وقتاً فوقتاً آپ کی نگرانی میں مسجد ھذا میں ذکر کی محافل منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ آپ حاجی عبدالرزاق صاحب کے دوست ہونے کے ساتھ ان کے قرآن پاک کے استاد بھی ہیں۔ قاری صاحب کے اپنے قرآن پاک کے استاد حافظ علی اصغر صاحب مدرس جامع مسجد دربار شہنشاہ ولایت موسی کملاوالے ہیں۔ قبلہ حاجی عبدالرزاق قادری صاحب کے صاحبزادے حسن مٹو صاحب کے بقول مولانا محمد اشرف نقش بندی حاجی عبدالرزاق کے کے بارے میں پوری کتاب ہیں، ان کے دوست، ان کے رازدار ہیں۔

حاجی صاحب کو اپنے پیر و مرشد باباجی سوات والے سے بہت محبت تھی۔ آپ اپنے پیر و مرشد کی گجرات آمد پر بہت زیادہ خوش ہوا کرتے تھے اور ان کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتے تھے۔ گجرات میں باباجی اپنے اسی محبوب مرید و خلیفہ حاجی عبدالرزاق کے گھر قیام فرمایا کرتے تھے۔ آج بھی باباجی بڑھاپے میں مختلف بیماریوں کے باوجود انتہائی تکلیف برداشت کرتے ہوئے حاجی عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خاطر سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے سوات سے گجرات تشریف لاتے ہیں اور اپنے مرید کے ساتھ وفا کا عملی مظاہرہ پیش کرتے ہیں۔ حاجی صاحب ۱۴ فروری ۲۰۰۵ء کو اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔[1] آپ کی نماز جنازہ شہنشاہ ولایت پیر سید ولایت علی شاہ مجددی جماعتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے صاحبزادہ سید سعید احمد شاہ گجراتی نے پڑھائی۔ آپ کا مزار خواجگان قبرستان میں تعمیر کیا گیا جہاں ہر جمعرات کو درود شریف کی محفل منعقد ہوتی ہے الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حاجی صاحب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے امین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

۸ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ / ۱۹ مارچ ۲۰۲۴ عیسوی والے دن باباجی عُمرا خان سواتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس دنیا فانی سے پردہ فرمایا۔ کچھ دن بعد باباجی کے خادمِ خاص شفیق قادری گجراتی صاحب باباجی کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ باباجی کی قبر حاجی بابا قبرستان میں واقع ہے اور یہ قبرستان جس روڈ پر واقع ہے اس روڈ کا نام بھی حاجی بابا روڈ ہے۔ قادری صاحب نے باباجی کے صاحبزادے صادق صاحب سے پوچھ کر یہ بھی بتایا کہ باباجی کی نمازہ جنازہ باباجی کے بھتیجے حافظ عبدالعزیز صاحب نے پڑھائی۔ قادری صاحب نے اس فقیر کو باباجی کی مرقد مبارک کی تصاویر بھی واٹس ایپ پر ارسال فرمائیں۔ نوراللہ مرقدہ۔

یہ چند صفحات ہیں جو اس فقیر نے اللہ کے ولی باباجی سوات والے کا ذکر خیر کرتے ہوئے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بلاشبہ بزرگوں کی سیرت اور کلام میں بہت سے فیوض و برکات موجود ہوتے ہیں بل کہ یہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، جس سے سالکین مدد حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] آپ کے یوم ولادت و یوم وصال وغیرہ جیسے ضروری کوائف فقیر کو صاحبزادہ حسن مٹو نے ۱۶ فروری ۲۰۲۳ء کو حاجی صاحب کے عرس کے موقع پر عنایت فرمائے۔

''اولیاء اللہ کے ملفوظات پڑھنے، لکھنے اور سننے میں ان گنت فائدے ہیں۔۔۔۔ان کا کلام ایک غیبی لشکر ہے۔ جب ہم ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں، اس لشکر سے اچانک ہمارا دل قوی ہو جاتا ہے اور کام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے''[1]۔اسی طرح حضرت نورالدین مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے کیا خوب فرمایا: ''حکایات المشائخ جند من جنود اللہ تعالی''

مشائخ کی حکایات اللہ تعالی کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔

.صوفیہ کرام کے درمیان رائج مشہور قول ہے :تنزل الرحمة عند تذکرة الصالحین

صالحین کے تذکرے کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ محمد سعید مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنی کتاب؛ ''صقال الضمائر''میں اولیائے کرام کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ان کی صحبت میں بیٹھنے والا کبھی شقی نہیں ہوتا۔ ان سے محبت رکھنے والا محروم نہیں ہوتا۔ ان کے درمیان بیٹھنے والا بد نصیب نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالی کے ہم نشین ہیں۔ جنھوں نے ان کو دیکھا وہ اللہ تعالی کے ذاکر ہوئے۔ جنھوں نے ان کو پہچانا انھوں نے اللہ کو پالیا۔ ان کی نظر دوا ہے، ان کا کلام شفا ہے۔ ان کی حضوری ترو تازگی ہے اور ان کی صحبت روشنی ہے۔ جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ ذلیل ہوا اور خسارے میں رہا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا اس نے نجات اور فلاح پائی۔ ہم اللہ تعالی سے اسی چیز (باطنی معرفت) کا سوال کرتے ہیں اور تصنع سے پناہ مانگتے ہیں۔''[2]

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اولیاء اللہ کا باادب بنائے اور ان کی ہم نشینی عطا فرمائے۔ اللہ پاک ان کے طفیل ہم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور آخرت میں ہمیں ان کے ساتھ اٹھائے۔ امین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم۔

---

[1] سرہندی، شیخ بدرالدین، حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ۱۹۲۲ء، ص۵-۷، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی از ڈاکٹر مسعود احمد، ص ۴۸

[2] مکی، خواجہ محمد سعید مہاجر، صقال الضمائر، مترجم: محمد آدم اسحاقانی، جماعت لواری شریف کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۹

امام محمد بن عمر الواقدی رحمہ اللہ

محمد اُسامہ بن صالح

حالاتِ زندگی: امام **محمد بن عمر الواقدي** کو اسلامی تاریخ کے اہم مؤرخین میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کا مکمل نام محمد بن عمر بن واقد اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ [۱] آپ کی ولادت ۱۳۰ ہجری میں ہوئی [۲] جیسا کہ ابن سعد علیہ الرحمہ نے طبقات الکبیر میں علامہ واقدی سے ہی روایت کیا ہے۔ [۳] خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ واقدی نے خود فرمایا کہ جب کسی غزوے کے مقام یا کسی صحابی کے مقامِ شہادت کا پتا چلتا، تو میں بذاتِ خود اُس جگہ پہ جا کر وہاں کا مشاہدہ کرتا۔ [٤]

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے مدینہ منورہ کا سفر کیا تو اپنے وزیر یحییٰ بن خالد سے کہا کہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو نزولِ وحی کے مقامات، شہدائے اسلام کی قبور اور غزوات النبی ﷺ کے مقامات سے بخوبی واقف ہو۔ یحییٰ بن خالد نے تلاش شروع کی تو ہر شخص نے انھیں علامہ واقدی کے متعلق بتایا۔ چنانچہ ہارون الرشید کی ملاقات واقدی سے کروائی گئی اور آپ نے ہارون کو وہ تمام مقامات دکھائے جن سے اسلامی تاریخ کا کوئی نہ کوئی واقعہ وابستہ تھا۔ اِس کے عوض ہارون الرشید نے واقدی کو دس ہزار درہم دے کر رُخصت کیا۔ [٥] ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید بھی علامہ واقدی کا بڑا معترف تھا۔ [٦]

علامہ واقدی کا حافظہ بھی غضب کا تھا لیکن اِس کے باوجود وہ قرآنِ مجید حفظ نہ کر سکے۔ ایک مرتبہ نمازِ جمعہ پڑھاتے ہوئے علامہ واقدی نے سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت **صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى** کو **صُحُفِ عيسىٰ وَمُوسَى** پڑھا۔ [٧]

---

[۱] عزالدين الجزري : اللباب في تهذيب الانساب، ۳/۳۵۰، دار صادر، بیروت، ۱۴۰۰ھ

[۲] محمد بن سعد بن منيع الزهري : الطبقات الكبير، ۷/۶۱۱، مكتبة الخانجي بالقاہرہ، ۱۴۲۱ھ

[۳] ایضاً، ۷/۶۱۱

[٤] الخطيب البغدادي، احمد بن علی : تاريخ المدينة السلام، ۴/۹، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ

[٥] الذہبی، شمس الدین محمد : سیر اعلام النبلاء، ۹/۴۵۴، طبعة مؤسسة الرسالة، ۱۴۱۷ھ

[٦] الخطيب البغدادي، احمد بن علی : تاريخ المدينة السلام، ۴/۸، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ

[٧] ایضاً، ۴/۱۲

امام واقدی علیہ الرحمہ کے اساتذہ : ۱۔) محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن حارث ابن اَبی ذئب رحمہ اللہ[1] : آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ۱۵۹ ہجری میں وفات پائی۔

۲۔) معمر بن راشد رحمہ اللہ[2] : اپنے وقت عظیم محدثین اور مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۵۳ ہجری میں یمن کے شہر صنعاء میں وفات پائی۔ امام نسائی، امام یحییٰ بن معین، امام دارقطنی اور امام ذہبی علیہم الرحمہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

۳۔) محمد بن عجلان رحمہ اللہ[3] : تابعین میں سے تھے۔ ۱۴۸ ہجری میں انتقال ہوا۔ امام نسائی رحمہ اللہ اور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا۔

۴۔) ابن جریج رحمہ اللہ[4] : آپ کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج تھا۔ تبع تابعین میں سے تھے۔ ۱۵۰ ہجری میں بغداد میں فوت ہوئے۔

۵۔) امام مالک بن انس رحمہ اللہ[5] : فقہ کے مستند ترین علما میں سے ایک ہیں۔ حدیث کا ایک مجموعہ تالیف کیا جس کا نام موطا امام مالک تھا۔ عشقِ رسول ﷺ اور حبِ اہل بیت میں اس حد تک سرشار تھے کہ ساری عمر مدینہ منورہ میں بطریق احتیاط و ادب ننگے پاؤں پھرتے گزار دی۔ ۱۷۹ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

---

[1] الذہبی، شمس الدین محمد : سیر اعلام النبلاء، ۹/۴۵۴، طبعۃ موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۷ء

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] ایضاً

[5] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام، ۵/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ء

امام واقدی کے تلامذہ : ۱۔) محمد بن سعد رحمہ اللہ[1] : آپ کی ولادت ۱۶۸ ہجری میں ہوئی۔ علامہ واقدی کے شاگرد اور کاتب تھے ، اِسی وجہ **کاتب الواقدي** کہلائے ۔ مشہور کتاب الطبقات الکبیر تالیف کی جس میں نبی اکرم ﷺ کے عہد سے لے صحابہ کرام اور تابعین مولف نے اپنے زمانے تک کی اہم شخصیات کے تذکرے ہیں اور اس سے ہر نئے آنے والے مؤرخ نے استفادہ کیا۔ بغداد میں ۲۳۰ ہجری میں وفات پائی اور مقبرہ باب الشام میں دفن ہوئے ۔

۲۔) امام ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ[2] : مشہور محدث تھے ۔ ۱۵۹ ہجری میں ولادت ہوئی ۔ آپکی کتاب المصنف کو شہرت دوام حاصل ہوئی جس میں سینتیس ہزار سے زیادہ احادیث موجود ہیں ۔ ۲۳۵ ہجری میں وفات پائی ۔

۳۔) امام ابو حسان الزیادی رحمہ اللہ :[3] عباسی عہد میں بغداد کے قاضی تھے ۔ آپ کا مکمل نام حسن بن عثمان بن حماد البغدادی ہے ۔ مؤرخین میں بھی شمار ہوتے ہیں ۔ آپ کی وفات ۲۴۲ ہجری میں ہوئی ۔

وفات اور تدفین؛واقدی کا انتقال ۱۱ ذوالحجہ ۲۰۷ ہجری کو ہوا۔[4] نمازِ جنازہ قاضی محمد بن سماعہ التیمی نے پڑھائی اور تدفین مقبرہ خیرزان میں کی گئی ۔[5] وفات کے وقت واقدی کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی کہ تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جاتا چنانچہ مامون الرشید نے اِس کا بندوبست کیا ۔[6]

امام واقدی کی علم دوستی : واقدی نے علمی مشاغل سے بھرپور زندگی گزاری ۔ وفات کے وقت تجہیز و تکفین کے لئے پیسے تک نہ تھے البتہ ۶۰۰ جُزدانوں میں کتابوں کا وسیع ذخیرہ چھوڑا ۔[7] اِس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ

---

[1] الذہبی، شمس الدین محمد : سیر اعلام النبلاء ، ۹/۴۵۵، طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ ، ۱۴۱۷ھ

[2] الذہبی، شمس الدین محمد : سیر اعلام النبلاء ، ۹/۴۵۵، طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ ، ۱۴۱۷ھ

[3] ایضاً، ۱۱/۴۹۷

[4] ایضاً، ۹/۴۵۷

[5] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام ، ۴/۶ ، دار الغرب الاسلامی ، ۱۴۲۲ھ-ابن الندیم ، محمد بن إسحاق المعتزلی : کتاب الفہرست ، صفحۃ ۱۴۴ ، المطبعۃ الرحمانیۃ، مصر، ۱۳۴۸ھ

[6] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام ، ۴/۳۱ ، دار الغرب الاسلامی ، ۱۴۲۲ھ

[7] ابن الندیم ، محمد بن إسحاق المعتزلی : کتاب الفہرست ، صفحۃ ۱۴۴ ، المطبعۃ الرحمانیۃ ، مصر، ۱۳۴۸ھ

ایک جُزدان کو دو آدمی اُٹھاتے تھے[1] اور تمام کتابیں اُٹھانے کے لیئے بارہ سو آدمیوں کی ضرورت تھی۔ جب ہارون الرشید نے واقدی کو بغداد کے مشرقی حصے کا قاضی بنایا تو ان کی کتابیں ایک سو بیس اونٹوں کے ذریعے منتقل کی گئیں۔[2] ابن ندیم نے لکھا ہے کہ واقدی کے دو غلام ایسے تھے، جو دن رات لکھنے پر مامور تھے۔[3] واقدی نے کئی کتابیں لکھیں جن میں کتاب المغازی اور فتوح الشام سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ البتہ بعض محققین نے کتاب "فتوح الشام" کی واقدی کی طرف نسبت کو مشکوک قرار دیا ہے۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ واقدی نے "فتوح الشام" اور "فتوح العراق" کے نام سے جو کتابیں لکھیں، وہ مفقود ہو چکی ہیں اور لوگوں میں اِس نام سے دو کتابیں مشہور ہیں، وہ واقدی کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں۔

امام واقدی کا مسلک : واقدی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شیعی المسلک تھے جیسا کہ ابن ندیم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔[4] البتہ بعض محققین کے نزدیک واقدی کو شیعہ کہنے کی حیثیت ایک الزام کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اِس سلسلے میں ابن الحسن عباسی صاحب نے اپنے ایک مضمون "واقدی بحیثیت سیرت نگار" میں بحث کی ہے اور دلائل دیئے ہیں کہ واقدی کو شیعہ کہنا دراصل اُن پر الزام لگانے کے مترادف ہے۔

امام واقدی کے متعلق محدثین کی آرا : اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ مغازی اور سیر کے واقعات میں واقدی کی حیثیت ایک امام کی سی ہے، لیکن علمِ جرح و تعدیل کی روشنی میں علامہ واقدی کی شخصیت "مختلف فیہ" ہے۔ بعض محدثین نے واقدی پر جرح کی ہے اور بعض نے ان کی تعدیل کی ہے جب کہ بعض محدثین سے جرح و تعدیل دونوں منقول ہیں۔

وہ محدثین جنہوں نے واقدی کو ضعیف اور غیر ثقہ قرار دیا اُن کے نام درج ذیل ہیں :

---

[1] ایضاً

[2] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام، ۹/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ- الذہبی، شمس الدین محمد : سیر اعلام النبلاء، ۹/۴۵۹، طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۷ھ

[3] ابن الندیم، محمد بن اِسحاق المعتزلی : کتاب الفہرست، صفحہ ۱۴۴، المطبعۃ الرحمانیۃ، مصر، ۱۳۴۸ھ

[4] ایضاً

(١) امام محمد بن اسماعیل البخاری۔[1] (٢) امام ابو زُرعہ رازی۔[2] (٣) امام مسلم بن حجاج القشیری۔[3] (٤) امام ابوداوٗد۔[4] (٥) امام احمد بن شعیب النسائی۔[5] (٦) امام محمد بن ادریس الشافعی۔[6] (٧) امام احمد بن حنبل۔[7] (٩) امام یحییٰ بن معین۔[8] (١٠) امام علی بن عمر الدار قُطنی۔[9] (١١) امام علی بن المدینی۔[10] (١٢) امام ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی (١٣) عبدالرحمٰن بن محمد المعروف ابن ابی حاتم۔[11]

---

[1] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام، ۲۳/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ-الحافظ المزي، یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۸۵/۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ

[2] سؤالات البرذعی لأبی زرعۃ الرازي ومعہ کتاب أسامی الضعفاء (لأبی زرعۃ الرازي)، صفحہ ۲۲۵ و ۳۶۰، الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۳۰ھ

[3] الحافظ المزي، یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۸۸/۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ

[4] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام، ۲۳/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ

[5] ایضاً-الحافظ المزي، یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۸۸/۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ-الذہبی، شمس الدین محمد : سیر اعلام النبلاء، ۴۵۷/۹، طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۷ھ

[6] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام، ۲۱/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ

[7] ایضاً-الحافظ المزي، یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۸۶/۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ-الذہبی، شمس الدین محمد : سیر اعلام النبلاء، ۴۶۲/۹، طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۷ھ

[8] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام، ۲۰/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ-الحافظ المزي، یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۸۶/۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ

[9] ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد : تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین، صفحہ ۲۵۰، الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر ۱۴۱۴ھ

[10] الخطیب البغدادي، احمد بن علی : تاریخ المدینۃ السلام، ۲۰/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ

[11] ابن أبی حاتم، عبدالرحمن بن أبی حاتم محمد بن إدریس : الکتاب الجرح والتعدیل، ۲۱/۸، الطبعۃ الأولیٰ بمطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ بحیدر آباد الدکن الہند، ۱۳۷۲ھ

وہ محدثین جنھوں نے واقدی کو ثقہ قرار دیا اور اِس کی تعدیل کی، اُن میں ابو عبید قاسم بن سلام [1]، المسیبی [2]، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی [3]، یزید بن ہارون [4]، ابو یحییٰ الازہری [5]، مصعب الزبیری [6] اور مجاہد بن موسیٰ رحمہم اللہ شامل ہیں۔ الدراوردی رحمہ اللہ نے واقدی کو **امیر المؤمنین فی الحدیث** قرار دیا تھا۔ جب کہ وہ محدثین جنھوں نے واقدی پر جرح بھی کی اور اس کی تعدیل بھی کی اُن میں امام مالک بن انس اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ کے نام شامل ہیں۔ اِسی طرح حافظ مغلطائی رحمہ اللہ نے بھی واقدی کی توثیق کی ہے لیکن ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حافظ مغلطائی کی اِس بات کو تسلیم نہیں کیا [7] اور پھر امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابنِ حجر علیہ الرحمہ سے اختلاف اور حافظ مغلطائی سے اتفاق کیا ہے۔ [8] المختصر کہ واقدی کو علمِ حدیث کے معاملے میں تو ضعیف قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ سیر و مغازی میں واقدی کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔ [9]

امام واقدی رحمہ اللہ کی تصانیف: علامہ واقدی نے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن اُن کا بیشتر حصہ ضائع ہوچکا ہے۔ صرف کتاب المغازی ہم تک اپنی اصل حالت میں پہنچی ہے۔ فتوح الشام اور فتوح المصر بھی مطبوعہ حالت میں دستیاب ہے لیکن بعض محققین کے مطابق ان دونوں کتابوں کا بیشتر حصہ تحریف کا شکار ہے۔ پچھلی صدی میں **كتاب الردہ للواقدي** کا قلمی نسخہ دریافت کرلیا گیا تھا۔ علامہ واقدی نے ایک کتاب عہدِ نبوی ﷺ میں بین الاقوامی تعلقات کے متعلق لکھی تھی جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الأم میں شامل **سیر الواقدي** کے نام سے شامل کرلیا ہے۔ علامہ واقدی کی دیگر

---

[1] الخطیب البغدادي، احمد بن علی: تاریخ المدینۃ السلام، ۱۸/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ

[2] ایضاً-الحافظ المزي، یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف: تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۸۶/۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ

[3] الخطیب البغدادي، احمد بن علی: تاریخ المدینۃ السلام، ۱۷/۴، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۲۲ھ

[4] ایضاً، ۱۸/۴

[5] ایضاً، ۱۷/۴

[6] ایضاً

[7] ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی بن محمد: فتح الباري بشرح صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب کثرۃ النساء، ۲۲۵/۱۵، الرسالۃ العالمیۃ، ۱۴۳۴ھ

[8] بدرالدین أبو محمد محمود بن أحمد العینی: عمدۃ القاري شرح البخاري، کتاب النکاح، باب کثرۃ النساء، ۹۸/۲۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۱ھ

[9] الذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء، ۴۶۹/۹، طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۷

تصانیف کے بہت سے حصے ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں نقل کئے ہیں اور اب وہ انھیں کتابوں میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ علامہ واقدی کی کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے :

۱۔) كتاب التاريخ وَالمغازي وَالمبعث

امام واقدی رحمہ اللہ سے پہلے بھی کئی علماء نے کتبِ مغازی تصنیف فرمائیں جن میں حضرت عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ سے منسوب کتاب المغازی کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ لیکن امام واقدی رحمہ اللہ کتاب المغازی کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

کتاب المغازی کے مختلف قلمی نسخے دنیا بھر میں موجود ہیں۔ یہ کتاب سب سے پہلے ۱۸۵۵ء میں کلکتہ سے طبع ہوئی۔ مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپر نگر نے اِس کتاب کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔ بعد ازاں ۱۲۸۹ ہجری میں بشارت علی خان کا کیا ہوا کتاب المغازی کا اردو ترجمہ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ طبع ہوا۔ جرمن مستشرق ول ہاوزن نے نے کتاب المغازی کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا جو ۱۸۸۲ء میں طبع ہوا۔ کتاب المغازی کا ایک اور اردو ترجمہ مولانا افتخار احمد نے کیا جو مکتبہ رحمانیہ، لاہور سے طبع ہوا۔

کتاب المغازی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ امام واقدی نے غزوات و سرایا کا ذکر کرتے ہوئے ان کا جغرافیائی محل وقوع بھی تحریر کیا۔ علامہ واقدی جب بھی کسی غزوے کے متعلق معلومات جمع کرتے تو اُس مقام کا بذاتِ خود جاکر معائنہ کرتے۔

۲۔) كتاب فتوح الشام

یہ کتاب ۱۳۲۱ ہجری میں **مطبعۃ الاشرفیۃ** سے دو جلدوں میں طبع ہوئی۔ ۱۳۴۸ ہجری میں **مطبع محمد علی، مصر** سے طبع ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ کتاب **مطبۃ حجازي، قاہرہ** اور **دار الكتب العلميۃ، بیروت** سے بھی طبع ہو چکی ہے۔ فتوح الشام کے متعدد اردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ مولانا سید عنایت حسین صاحب سید جو نپوری نے اس کتاب کا ترجمہ کیا جو مطبع منشی نول

کشور، لکھنؤ سے طبع ہوا۔ جدید اردو تراجم میں مفتی محمد فیاض چشتی کا ترجمہ قابلِ ذکر ہے جو شاکر پبلیکیشنز، لاہور سے شائع ہوا ہے۔

۳۔) کتاب فتوح الجزیرۃ

یہ کتاب بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۴۔) کتاب الردۃ وَالدار

اِس کتاب کا واحد قلمی نسخہ ہندوستان کی خدابخش لائبریری، پٹنہ میں موجود ہے۔ یہ مخطوطہ خطِ نسخ میں لکھا گیا ہے اور ۴۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ ربیع الثانی ۱۲۷۸ ہجری میں مخطوطے کتابت مکمل ہوئی۔ اِس قلمی نسخے کو بنیاد بنا کر یہ کتاب دار الغرب الاسلامی، بیروت، لبنان سے ڈاکٹر یحییٰ الجبوری کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۱۰ ہجری بمطابق ۱۹۹۰ء میں طبع ہوئی۔

۵۔) کتاب فتوح مصر وَالاسکندریۃ

یہ کتاب لندن سے ۱۲۴۱ ہجری بمطابق ۱۸۲۵ء میں طبع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ مولوی عنایت حسین جونپوری (مترجم کتاب فتوح الشام) کے بھتیجے سید مہدی حسین نقوی سید جونپوری نے کیا تھا جو مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے طبع ہوا۔

۶۔) کتاب فتوح افریقیۃ

یہ کتاب **مطبعۃ العمومیۃ، تیونس** سے ۱۳۱۵ ہجری میں طبع ہوئی۔

۷۔) کتاب فتوح العراق

یہ کتاب **فتوح الجزیرۃ والخابور ودیار بکر والعراق** کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اِس کا قلمی نسخہ **معہد المخطوطات العربیۃ، قاہرہ** میں موجود ہے، مخطوطہ کی کتابت خطِ فارسی میں کی گئی ہے۔ اِس مخطوطے کو بنیاد بنا کر یہ کتاب **دار البشائر للطباعۃ وَالنشر وَالتوزیع**، دمشق سے ۱۹۹۶ء سے طبع ہوئی۔

(۸) کتاب السیرۃ (۹) کتاب ازواج النبی ﷺ (۱۰) کتاب الجمل /کتاب یوم الجمل (۱۱) کتاب حرب الاوس وَالخزرج (۱۲) کتاب صفین (۱۳) کتاب وفاۃ النبی ﷺ (۱٤) کتاب امر الحبشۃ وَالفیل (۱۵) کتاب المناکح (۱٦) کتاب السقیفۃ وَ بیعۃ ابی بکر (۱۷) کتاب سیرۃ ابی بکر وَوفاتہ (۱۸) کتاب مداعی قریش وَالانصار فی القطائع (۱۹) کتاب الترغیب فی علم المغازي غلط الرجال (۲۰) کتاب مولد الحسن وَالحسین وَمقتل الحسین علیہ السلام (۲۱) کتاب ضرب الدنانیر وَالدراہم (۲۲) کتاب تاریخ الفقہا (۲۳) کتاب الآداب (۲٤) کتاب التاریخ الکبیر (۲۵) کتاب غلط الحدیث (۲٦) کتاب السنۃ والجماعۃ وَذم الہوی وترک الخروج فی الفتن (۲۷) کتاب الطبقات (۲۸) کتاب الاختلاف وَیحتوی علی الاختلاف اہل المدینۃ وَالکوفۃ فی الشفعۃ وَالصدقۃ وَالہبۃ وَالعمری وَالرقبی وَالودیعۃ وَالعاریۃ وَالبضاعۃ وَالمضاربۃ وَالغصب وَالشرکۃ وَالحدود وَالشہادات (۲۹) کتاب فی الطعام النبی ﷺ (۳۰) کتاب فتوح ارمینیۃ وَبلاد مابین النہرین (۳۱) فتوح البنساء (۳۲) کتاب اخبار مکۃ (۳۳) کتاب مقتل الحسین

ردالحادولادینیت اور صوفیائے کرام کی خدمات

محمد انور الماتریدی

صوفیائے کرام کی ذاتِ بابرکات تصوف کی سراپا مجسم صورت ہیں کہ یہی وہ عظیم صوفیاء کرام ہیں جنھوں نے اپنے فکری ولسانی اور عملی جہاد کے ذریعے امر بالمعروف و نہی المنکر کے علَم سربلند فرمایا اور حقانیت کی شمشیر سے ابطال کے بتوں کو پاش پاش کردیا انھیں صوفیائے کرام نے جہاں گمراہ کن مسالک کا ردِ بلیغ فرمایا وہی ان قبیح ترین فتنوں کا علمی وعقلی تدارک بھی کیا جو اس امت محمدیہ کے لیے زہرِ قاتل کی مثل تھے انھیں قبیح ترین فتنوں میں سے ایک فتنہ "الحاد ولادینیت " بھی ہے ، اگر تاریخ کے مستند ترین مصادر کتب کا مطالعہ کریں تو وہ بھی اس امر کی گواہی دیں گے کہ صوفیائے کرام ردالحاد و ردلادینیت کے محاذ میں سرگرمِ عمل تھے نا صرف سرگرمِ عمل تھے بل کہ علمی و عملی محاذ پر دین اسلام کے دفاع اور الحاد ولادینیت کے تدارک کے لیے تقریری و تحریری میدان میں بھی جدوجہد کررہے تھے ۔

(دو مدارج برائے تفہیم)

صوفیائے کرام کی انھیں خدمات کو وسیع تر تناظر میں سمجھنے کے لیے ہم ان مباحث کو دو مدارج میں تقسیم کریں گے

پہلا درجہ : الحادولادینیت کا اساسی مفہوم

دوسرا درجہ : ردالحادوردلادینیت کے لیے صوفیاء کرام کی تقریری و تحریری خدمات ۔

۱) پہلا درجہ : الحادولادینیت کے اساسی مفہوم

اس بحث کے پہلے درجے میں ہمیں الحادولادینیت کے بارے میں جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے

※ الحادولادینیت کی تعریف :

"الحاد و لادینیت سے مراد وہ تصورات ہیں جو دینِ اسلام کے اساسی نظریات کے انکار ، تشکیک ، معنوی تحریف پر مشتمل ہوں "

مثال : جیسے کہ

*خدا تعالی کے وجود کا انکار کرنا، تشکیک کرنا، خدا کے ذاتی تشخص کا انکار یا ذاتی تشخص میں تحریف کرنا، خدا کی صفات کا انکار کرنا، تشکیک کرنا یا خدا کی صفات کی غیر اسلامی تشریح کرتے ہوئے باطل تاویل و معنوی تحریف کرنا، صفاتِ ناقصہ کو خدا کے ثابت الوجود قرار دینا،

*وحی و نبوت اور رسالت کے اسلامی تصور کا انکار کرنا یا تشکیک کرنا، وحی و نبوت اور رسالت کے اسلامی مفہوم سے عدول کرتے ہوئے باطل تاویل و معنوی تحریف کرنا، نبوت و رسالت کے لوازم کا انکار کرنا

*بعث بعد الموت یعنی قیامت کے دن کا انکار کرنا یا تشکیک کرنا، عقیدہ بعث بعد الموت کی غیر اسلامی تشریح کرتے ہوئے باطل تاویل کرتے ہیں

*اسلامی تناظر میں اس قسم کے نظریات کو "الحاد و لادینیت" سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن ایک نکتہ مد نظر رکھیے کہ جس طرح الحاد و لادینیت کی مختلف اقسام ہیں وہی ہر زمانے میں ان کے نظریات مختلف نوعیت کے ساتھ معرض وجود میں آتے رہے ہیں کہ کبھی الحادی فتنے کا بیانیہ انکار وجود خدا رہا تو کبھی یہ تشکیک تک محدود رہا، کبھی الحاد صفات باری تعالی کا منکر رہا تو کبھی یہ اسلامی تشخص خدا سے انحراف کرتے دیکھائی دئیے، بالکل اسی نہج میں وحی و نبوت اور رسالت کے بارے میں بھی الحادی مکاتب فکر نے یہی روش اختیار کی اور یقیناً یہی وجہ ہے کہ کبھی ان کو ملحد، کبھی متشکک، کبھی مذہب بیزار، منکرین رسالت کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا

دوسرا درجہ : رد الحاد و رد لادینیت کے رد صوفیاء کرام کی تقریری و تحریری خدمات۔

اسلامی تناظر میں الحاد و لادینیت کے تعارف کے بعد اب آئیے رد الحاد کے باب میں صوفیاء کرام کی خدمات کا تحقیقی جائزہ لیجیے کہ جہاں صوفیاء کرام تذکیۂ نفس و قلبی پاکیزگی کی تاکیدی تلقین کرتے ہیں وہی الحاد بشمول عصری فتنوں کے رد کے لیے علمی جدوجہد کرتے ہیں

(سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ)

سلسلہ نقشبندیہ تصوف کے چار معروف سلسلوں میں سے ایک سلسلہ ہے جس سلسلہ میں عظیم اسلامی مشاہیر شامل ہیں انھیں عظیم مشاہیر صوفی شخصیات میں ایک صداقت کا آفتاب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو اہل بیت کے چمکتے ستاروں ایک ستارے ہیں آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی الحادی مکاتب فکر موجود تھے جو الحادی نظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے متحرک تھے اور یہی وجہ تھی امام جعفر صادق رضی اللہ نے ان کے خلاف تقریری و تحریری جہاد فرمایا کہ الحاد و لادینیت کے رد میں اور اسلامی افکار کے دفاع کے لیے کئی کتب تصنیف کی اور ملحدین سے کئی مناظرے بھی فرمائے جن میں سے ایک مناظرہ انتہاء درجہ مقبول ہے جس کو امام فخر الدین رازی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں

يروي أن بعض الزنادقة أنكر الصانع عند جعفر الصادق رضي الله عنه . فقال جعفر : هل ركبت البحر ؟ قال نعم . قال هل رأيت أهواله؟ قال بلى : هاجت يوماً رياح هائلة فكسرت السفن وغرقت الملاحين . فتعلقت أنا ببعض ألواحها ثم ذهب عني ذلك اللوح فإذا أنا مدفوع في تلاطم الأمواج حتى دفعت إلى الساحل . فقال جعفر قد كان اعتمادك من قبل على السفينة والملاح ثم على اللوح حتى تنجيك . فلما ذهبت هذه الأشياء عنك هل اسلمت نفسك للهلاك أم كنت ترجو السلامة بعد؟ قال بل رجوت السلامة . قال ممن كنت ترجوها فسكت الرجل فقال جعفر : إن الصانع هو الذي كنت ترجوه في ذلك الوقت . وهو الذي أنجاك من الغرق فأسلم الرجل على يده .

ترجمہ : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کسی زندیق ملحد شخص نے صانع عالم کا انکار کیا تو امام نے اس شخص سے پوچھا! کیا سمندری سفر کیا ہے ؟ اس نے کہا ہاں ۔ آپ نے پوچھا، کیا تو نے سمندری سفر کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کیا ہے ؟ اس نے کہا کیوں نہیں ۔ ایک دن خوفناک ہوائیں اٹھیں جنھوں نے کشتیوں کو توڑ دیا اور ملاحوں کو غرق کر دیا اور میں کشتی کے ایک تختے کیساتھ چمٹ گیا جو تیرتا ہوا مجھے دور لے گیا۔ پھر اچانک لہروں کے تلاطم نے مجھے ایک جزیرے کی طرف دھکیل دیا۔ تو حضرت امام نے فرمایا کہ پہلے تیرا اعتماد کشتی و ملاح پر تھا پھر تختے پر۔ تو جب یہ چیزیں تجھے کھو گئیں تو کیا تو نے اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کر دیا تھا یا اس وقت بھی سلامتی کی امید رکھتا تھا ؟ اس نے کہا بل کہ میں سلامتی کی امید رکھتا تھا۔ آپ نے فرمایا تو کس سے سلامتی کی امید رکھے ہوئے تھا؟ تو وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ امام

نے فرمایا بیشک صانع وہی ہے جس سے تو اس بے سرو سامانی کے وقت میں امید رکھتا تھا اور وہی ہے جس نے تجھے غرق ہونے سے بچالیا۔ تو وہ آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔

(تفسیر کبیر ج ۲، البقرۃ، آیت ۲۲ ص ۱۰۸)

(تلمیذ صادق امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ)

سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم صوفی شخصیت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے عظیم تلمیذ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں کے تصوف کے فیض سے رد الحاد کے محاذ میں تحریری و تقریری جہاد فرماتے تھے آپ رضی اللہ عنہ جہاں ایک عظیم مجتہد و فقیہ تھے وہیں یہ ایک عظیم متکلم بھی تھے آپ رضی اللہ عنہ نے علم الکلام والعقائد کے ذریعے دین اسلام کے نظریاتی دفاع فرمایا اور رد الحاد کے لیے بھی تحریری و تقریری جدوجہد جاری رکھیں اسی ضمن میں آپ نے ملحدین سے کئی مناظرے فرمائے جس کو امام فخر الدین رازی رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں

كان أبو حنيفة رحمه الله سيفاً على الدهرية ، وكانوا ينتهزون الفرصة ليقتلوه فبينما هو يوماً في مسجده قاعد إذ هجم عليه جماعة بسيوف مسلولة وهموا بقتله فقال لهم : أجيبوني عن مسألة ثم افعلوا ما شئتم فقالوا له هات ، فقال ما تقولون في رجل يقول لكم إني رأيت سفينة مشحونة بالأحمال مملوءة من الأثقال قد احتوشها في لجة البحر أمواج متلاطمة ورياح مختلفة وهي من بينها تجري مستوية ليس لها ملاح يجريها ولا متعهد يدفعها هل يجوز ذلك في العقل؟ قالوا لا ، هذا شيء لا يقبله العقل ! فقال أبو حنيفة : يا سبحان الله إذا لم يجز في العقل سفينة تجري في البحر مستوية من غير متعهد ولا مجري فكيف يجوز قيام هذه الدنيا على اختلاف أحوالها وتغير أعمالها وسعة أطرافها وتباين أكنافها من غير صانع وحافظ؟ فبكوا جميعاً وقالوا صدقت واغمدوا سيوفهم وتابوا.

ترجمہ : "حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (اپنی مخصوص علمیاتی و منطقی طرز تکلم کے سبب) دہریہ پر ننگی تلوار تھے اور یہی وجہ تھی دہریہ آپ کو قتل کرنے کی تاک میں رہتے تھے۔ ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ان کی ایک بڑی جماعت آپ کو قتل کرنے کے لئے میانوں سے نکلی ہوئی تلواریں ہاتھ میں لئے مسجد میں داخل ہوئی۔ آپ نے ان سے پوچھا تم ایسے آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میں نے سامان سے لدی ایک کشتی دیکھی جسے گہرے سمندر میں متلاطم لہروں اور مخالف سمت سے شدید طوفان نے آلیا اور یہ اس کے باوجود ٹھیک

ٹھیک چلتی رہی حالاں کہ اسکا کوئی ملاح نہیں تھا جو اسے چلاتا اور نہ ہی اسکا کوئی محافظ تھا۔ تو کیا یہ عقل میں جائز ہے؟ انھوں نے کہا نہیں کیوں کہ یہ ایسی بات ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی۔ تو حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ سبحان اللہ- جب عقل میں یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک کشتی کسی چلانے والے اور محافظ کے بغیر سمندر میں ٹھیک ٹھیک چلتی رہے تو یہ کیسے جائز ہے کہ یہ وسیع دنیا اپنے احوال و اعمال کے اختلاف و تغیر کے باوجود کسی بنانے والے اور محافظ کے بغیر قائم رہے۔ آپکی یہ بات سن کر سب رو پڑے اور کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ انھوں نے تلواریں میانوں میں کرلیں اور تائب ہو گئے"

(تفسیر کبیر ج ۲، البقرۃ، آیت ۲۲ ص ۱۰۸)

ردالحاد کے باب میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمات کو بیان کرتے ہوئے ایک یورپی نو مسلم محقق حمزہ اینڈریاس اپنی کتاب میں رکھتے ہیں،

Abu Hanifa, one of the great scholars of Islam, once engaged in a discussion with an atheist. It was reported that the scholar successfully used a variant of design argument :Before we enter into a discussion on this question, tell me what you think of a boat in the Euphrates which goes to shore, loads itself with food and other things, then returns, anchors and unloads all by itself without anyone sailing or controlling it ? They said, "That is impossible; it could never happen.' Thereupon he said to them, 'If it is impossible with respect to a ship, how is it possible for this whole world, with all its vastness, to move by itself ?

ترجمہ :"امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، اسلام کے عظیم علما میں سے ایک ہیں جنھوں نے ایک دفعہ ایک ملحد کے ساتھ مباحثہ کرتے ہوئے ڈیزائن آر گومنٹ کو کامیابی سے پیش کیا :

(امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے ملحدین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا)

اس سے پہلے کہ ہم بحث کا آغاز کریں، مجھے یہ بتائیے کہ آپ کا ایک ایسی کشتی کے بارے میں کیا خیال ہے جو خود بخود بغیر کسی کنٹرول کرنے والے، چلانے والے کے، فرات (دریا) کے کنارے آتی ہے، سارا سامان خود لادتی ہے اور

واپس ہوتی اور اپنی منزل پر لنگر انداز ہو کر وہاں خود سامان اتارتی ہے ؟ جواب ملا، یہ ناممکن ہے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ اگر ایک کشتی کے لئے خود سے یہ سب کرنا اور چلنا محال ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ یہ اتنی بڑی دنیا اپنے تمام لوازمات کے ساتھ خود بخود چل رہی ہو؟ "

(The Divine Reality ; p . 125)

یہ تو صرف چند مناظرے ہیں جن میں امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنے علمی جدلیاتی طریقہ کار کے ذریعے چند سوالات میں وجود خدا کو ثابت کر دیا ورنہ اس کے علاوہ اور بھی کئی تاریخی مشاہداتی مناظرے ہیں جن میں آپ نے دہریہ و ملحدین کو عقلی دلائل کے ذریعے شکست دی ، آپ کے عقلی طرز تکلم کے ذریعے الحاد کا زور ٹوٹ گیا

(تلمیذ ابو حنیفہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ)

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ بذریعہ اساتذہ کرام امام ابو حنیفہ رضی اللہ کے شاگردوں میں شامل ہیں اور انھیں بھی امام ابو حنیفہ کی علمی وراثت سے مستفید ہونے کا موقع ملا جو انھیں امام جعفر صادق سے حاصل ہوئی تھی، امام ماتریدی نے بھی اپنے عہد میں دفاع اسلام اور رد الحاد کے لیے جہاد بالقلم کیا اور اسلامی الہیات کی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے الحادی نظریات کا قلع قمع کیا بل کہ اسلامی الہیات کے دفاع اور الحادی مکاتب فکر کے علمی رد کے لیے آپ نے کئی کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے معروف ترین کتب یہ ہے ۔ پہلی کتاب کا نام " تاویلاتِ اہل سنت " جس کو تفسیرِ ماتریدی بھی کہا جاتا ہے جب کہ دوسری کتاب کا نام "کتاب التوحید" ہے.جس میں انھوں نے اسلامی الہیات کی حقانیت کو مفصل انداز سے بیان فرمایا

(عظیم صوفی شخصیت امام ابو حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

امام ابو حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم فلسفی ، متکلم ہونے کے ساتھ ساتھ باکمال صوفی شخصیت بھی ہیں آپ نے جہاں تصوف پر بہت اعلی اسلوب کتب تحریر فرمائیں وہی انھوں نے رد الحاد کے لیے بھی کئی کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے سب سے معروف کتاب "تہافت الفلاسفہ " ہے.جس نے اس زمانے میں علمی و نظریاتی محاذ میں الحادی فتنوں کی

کمر توڑ کر رکھ دی اگر تاریخی تناظر میں رد الحاد کے حوالے سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کردار کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کی تاریخی خدمات کا اقرار خود یورپی غیر مسلم تاریخ دان ول ڈیورنٹ نے بھی کیا کہ معروف صوفی شخصیت امام غزالی رحمۃ اللہ نے رد الحاد کے محاذ میں ایسی تحریری جدوجہد کی کہ اس عہد کے الحاد کا طوفان تھم گیا چنانچہ ول ڈیورنٹ لکھتا ہے ،

He accepted again the Koran and the Hadith. In his lhya Ulum ai-Din (Revival of tbe Science of Religion) he expounded and defended his renovated orthodoxy with all the eloquence and fervor of his prime; never in Islam had the skeptics and the philosophers encountered so vigorous a foe. When he died (I I I I),the tide of unbelief had been effectually turned. All orthodoxy took comfort from him; even Christian theologians were glad to find, in his translated works, such a defense of religion, and such an exposition of piety, as no one had written since Augustine. After him,

ترجمہ :"اُس (امام غزالی) نے ایک بار پھر قرآن اور حدیث کو قبول کرلیا۔ اپنی کتاب احیا علوم الدین میں اُس نے اپنی نو تقویت یافتہ راسخ العقیدگی کو نہایت فصیح و بلیغ انداز میں واضح اور اُس کا دفاع کیا، اسلام کی تاریخ میں مختلف متشککین اور فلسفیوں کو بھی ایسے (امام غزالی) زوردار دشمن سے پالا نہیں پڑا تھا۔ جب وہ فوت ہوئے (۱۱۱۱ء) تو غیر ایمانی کا زور تھم گیا تھا۔ سارے اہل ایمان نے ان کی (خدمات) وجہ سے راحت پائی جتنی کہ عیسائی ماہرین الہیات بھی اس کی ترجمہ شدہ تصانیف میں مذہب کی حمایت میں دلائل پا کر بہت خوش ہوئے"

(Story of Civilisation ; Age of Faith Islamic Civilisation .pg 332)

(عظیم صوفی امام مجدد الف ثانی)

امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کی ایک عظیم علمی شخصیت ہیں جنہوں نے دین اسلام کی اساسی تعلیمات کے لیے ریاست کے حکمران کے سامنے علَم حق بلند فرمایا تصوف کے اعتبار سے آپ کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا آپ سلسلہ نقشبندیہ کے معروف صوفی شخصیت ہیں اگرچہ آپ کے عہد میں باقاعدہ ملحدین کی جماعت موجود نہی تھی لیکن اس کے باوجود چند عناصر ایسے ضرور موجود تھے جو وحی ، نبوت اور رسالت کے اسلامی مفہوم میں تحریف کررہے تھے اور مقام نبوت و لوازم نبوت کے بارے میں باطل تاویلات گھڑرہے تھے۔جس کے نتیجے میں الحادی افکار کی ترویج ہوئی اور آہستہ آہستہ لوگ دین اسلام کے تصور نبوت و رسالت کے منکر ہورہے تھے اور یہ سارے معاملات

ریاستی سرپرستی میں کیا جارہا ہے اس لیے اس کے خلاف کھڑا ہونا بھی جان کا خطرہ مول لینے کے برابر تھا لیکن اس کے باوجود مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الحادی افکار کا علمی رد کیا اور دین اسلام کے تصور نبوت و رسالت کا دفاع کیا جس کے بعد آپ کو قید کردیا گیا لیکن آپ نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور جس کے نتیجے میں "اثباتِ نبوت" جیسا عظیم رسالہ مرتب ہوا جو اس عہد الحادی افکار کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا،

(عظیم صوفی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ)

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم علمی مذہبی شخصیت ہیں جن کی علمیت کے چرچے پوری دنیا میں ہیں تصوف کے اعتبار سے آپ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا آپ جہاں تصوف و طریقت کے اساسی اصولوں پر عمل پیراں تھے وہی آپ نے دین اسلام کے دفاع اور رد الحاد کے لیے بڑی جدوجہد کی اور رد الحاد کے محاذ پر جہاد القلم کیا اسی جہاد بالقلم کی تاریخی حیثیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں انیسویں صدی کے حالات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ۱۹ ویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش کا زمانہ تھا۔ ایک طرف اسلام کے نام پر فرقہ ہائے باطلہ مسلمانوں کے ایمان کو چھین رہے تھے تو دوسری طرف ہندو بھی مسلمانوں کے ایمان کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو گئے۔ "سوامی دیانند سرسوتی" نے "ستیارتھ پرکاش" نام کی ایک کتاب لکھی اور اس میں قرآن پاک کی آیتوں کو ناقص (یعنی کچھ کچھ حصہ نقل کرکے) توڑ مروڑ کے خود ساختہ تراجم اور مفہوم بیان کئے، قرآن پاک کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کیا اور مذہب اسلام کی حقانیت کو للکارا۔ اس نے اور اس کے چیلے سوامی شردھانند نے ہندوستان بھر کے دورے کئے، جگہ جگہ تقریریں کرکے مسلمانوں کے ایمان میں تزلزل پیدا کرنے کی کوشش کی، بھولے بھالے مسلمانوں نے اُس کے دام فریب کا شکار ہو کر اسلام سے منحرف ہو کر آریہ مذہب اپنالیا تشکی کے سبب الحاد کی جانب راغب ہو گیے۔ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اس تحریک کا نام "شدھی کرن" رکھا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں کل چھے لاکھ مسلمان مرتد ہو کر آریہ ہو گئے یا متشکک ملحد بن گیے

امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالی علیہ ان حالات کو دیکھ کر بھڑک اٹھے اور ایک مرد مجاہد کی شان سے آریوں کے مقابلے میں میدان عمل میں اتر آئے مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کے لیے تحریر و تقریر دونوں پہلوؤں سے نمایاں کردار ادا

کیا۔ ستیارتھ پرکاش کے رد میں آپ نے ایک بے مثال معرکتہ الآراء تاریخی کتاب "کیفر کفر آریہ" تصنیف فرمائی جس میں آریہ مذہب کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ثابت کی۔ ایک بڑا اہم کتابچہ تحریر فرمایا جس کا نام باب العقائد والکلام تھا جس میں الحادی نظریات کا رد فرمایا علاوہ ازیں آپ نے اپنے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خان کے ہمراہ علمائے کرام کے ایک بڑے وفد کو صوبہ یوپی کے مشرقی علاقے میں جہاں شدھی کا فتنہ پھیل چکا تھا بھیجا۔ جن میں مولانا امجد علی اعظمی صاحب صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا حشمت علی خان صاحب لکھنوی اور دیگر شامل تھے۔ گیارہ مہینے تک وفد نے دورہ فرمایا اور الحمد للہ جن چھے لاکھ مسلمانوں نے مرتد ہو کر آریہ مذہب اپنا لیا تھا یا لادینیت اختیار کر لی اُن کو دوبارہ اسلام میں شامل کر لینے کے ساتھ ساتھ دیگر پانچ لاکھ راجپوتوں کو بھی کلمہ پڑھایا اور کل ملا کر آپ نے گیارہ لاکھ افراد کو دولت ایمان سے سرفراز فرمایا۔

ویسے تو امام احمد رضا خان کی خدمات پر بہت طویل گفتگو کی جا سکتی ہیں لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر اتنا ہی کافی ہے، مفصل معلومات کے لیے کشف اسلام بمقابلہ جدید الحاد کے حتمی ضمیمہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے،

ماحصل کلام اور صوفیاء کرام : سطور بالا میں رد الحاد کے باب میں صوفیاء کرام کی خدمات کا مختصر جائزہ سے معلوم ہوا کہ تاریخ گواہ ہے کہ صوفیاء کرام نے جہاں باطنی پاکیزگی کے تاکیدی تلقین فرمائی وہیں جدید فتنوں کا علمی رد بھی کیا اور بلاشبہ جن صوفیاء کرام کا تذکرہ خیر اس مقالے میں کیا گیا وہ تصوف کے شعبے میں جلیل القدر شخصیات ہیں تو جب یہ جلیل القدر شخصیات جدید فتنے بشمول الحاد و لادینیت کے رد کے لیے متحرک رہیں اور ساری زندگی دین اسلام کا دفاع کرتے ہوئے گزاری ہیں تو عہد حاضرہ کے صوفیاء کرام کو بھی چاہیے کہ ان کے راستے پر چلتے ہوئے لادینیت کا مقابلہ کریں کہ تصوف صرف عبادت یا ریاضت کا نام نہی کہ دنیا سے کٹ جائیں اور جدید فتنوں کا علمی رد نہ کریں بل کہ تصوف تو یہ ہے کہ امر المعروف و نہی المنکر کا علمی مجسم بن کر دین اسلام کا دفاع کرتے ہوئے لادینیت و الحاد سے اس امت کو بچائیں

آخر میں دعا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالی ہمیں تصوف کی عملی روح کو سمجھنے اور صوفیاء کرام کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

قبلۂ اول اور امت مسلمہ

علامہ محمد بلال الزمان قادری

اہل فلسطین کو اگر دنیا کی سب سے بد نصیب قوم کہا جائے تو گویا یہ مبالغہ آرائی نہ ہوگی اگر چہ ہم کفر و ظلم کے لیے ناقابل تسخیر پہاڑ بنے ہوئے ہیں۔ بیسویں صدی دنیا بھر میں آزادی کی صدی تھی۔ تقریباً تمام ایشیائی اور افریقی ممالک یورپ کی غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزادی کا جام پی رہے تھے۔ لیکن اس کے برخلاف اسلام دشمن عناصر فلسطین کی مقدس سرزمین پر یہود جیسی غلیظ ترین قوم کو آباد کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔

جنوری سنہ ۱۹۱۵ کو برطانیہ کی لیبرل پارٹی کے راہنما ہربراٹ سیموئل نے "دی فیوچر آف فلسطین The Future of Palestine" نامی ایک میمو لکھا اور اسے کابینہ میں تقسیم کیا جس کے اندر سلطنت برطانیہ کی سرپرستی میں فلسطین کے خطہ پر یہودی ریاست کے قیام کی حمایت کی۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو آرتھر جیمز بالفور (سیکریٹری خارجہ) نے صیہونیوں کے نام خط لکھا تھا۔ اس خط میں برطانیہ نے صیہونیوں کو اس بات کا یقین دلایا ہے کہ وہ فلسطین کی سرزمین میں ایک یہودی ریاست کے قیام میں بھرپور اور عملی مدد دیں گے۔ خط میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس معاہدہ کی توثیق برطانوی کابینہ کے ایک خفیہ اجلاس میں ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو ہو چکی ہے۔ اسی اعلامیہ کے تحت یہود کے لیے فلسطین میں "قومی گھر" کی منظوری دی گئی۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۴۰ء کی دہیائیوں میں یہودیوں کی آبادکاری کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴۔۱۹۱۸ تک فلسطین پر سلطنت عثمانیہ کا کنٹرول رہا۔ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا تو ترکی ایک سیکولر اور جمہوری ریاست کے طور پر ابھر کر دنیا کے نقشے پر آیا۔ اس سرزمین کو فرانس اور برطانیہ نے آپس میں تقسیم کیا۔ فلسطین برطانیہ کے کنٹرول میں چلا گیا تو بڑی تعداد میں یہودی دنیا کے دوسرے ممالک سے آنا شروع ہو گئے۔ خاص طور پر دوسری عالمی جنگ عظیم ۱۹۳۹۔۱۹۴۵ کے دوران جب جرمنی کے چانسلر ہٹلر نے یہودیوں کو چن چن کر ہلاک کیا تو یہودیوں نے فلسطین کا رخ کیا۔ ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ نے ووٹنگ کے ذریعے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس ووٹنگ کو تقسیم فلسطین کا منصوبہ یا قرارداد ۱۸۱ کیا جاتا ہے۔ برطانیہ نے ۱۹۴۸ء میں علاقے کا کنٹرول چھوڑ دیا۔ اقوام متحدہ کے سائے تلے دنیا بھر کے یہودی اکٹھا ہو کر فلسطینیوں کو ان کے وطن سے بے دخل کر وہاں صہونی ریاست قائم کر رہے

تھے۔ ۱۴ اور ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کی درمیانی رات ڈیوڈ بن گوریان نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اسی روز سے آزاد فلسطین غلامی کے جال میں پھنس گیا۔ ہائے افسوس! ہم نہ بچا سکے قبلہ اول کو۔

بے چارے فلسطینی اپنا گھر بار چھوڑ کر اردن، مصر، شام اور لبنان جیسے پڑوسی عرب ممالک میں پناہ گزیں خیموں میں پناہ لے رہے تھے۔ تب سے اب تک تقریباً ۷۶ برس گزر گئے لیکن فلسطینیوں کی جنگ آزادی جاری ہے۔ افسوس یہ کہ وہ جب جب آزادی کی جنگ لڑتے ہیں، اسرائیل تب تب ان کی بچی کھچی زمین پر قبضہ کر لیتا ہے، جب کہ فلسطینیوں کو موت کا جام پی کر آزادی تو درکنار غلامی کے اندھیروں میں پھر زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ لیکن آزادی کے متوالے فلسطینی پھر بھی ہر قسم کی قربانی دے کر ایک بار پھر اپنی آزادی کی جنگ چھیڑ دیتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود سوائے معدودے چند لوگوں کے امت مسلمہ کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگ رہی۔ اور آئی سی خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے، عرب حکمران خواب غفلت اور عیش و عشرت میں پڑے ہوتے ہیں، پورے عالم اسلام میں ایک بھی حکمران ایسا نہیں ہے جو سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہو یا کردار موسوی کی یاد تازہ کرے یا اسوۂ شبیری کو اپنائے اور اس دور کے نمرود، فرعون اور یزید امریکہ اور اس کے گماشتے اسرائیل کو للکارنے کی جرات کرے۔ وائے ناکامی! یہی وہ زمانہ تھا کہ جس کے بارے میں میرے کریم آقا ﷺ نے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری امت دنیا کی محبت میں غرق ہو جائی گی۔ آج وہ دور آ گیا ہے۔۔۔ مسلم عوام مادیت پرست اور مسلم حکمران عیش پسند ہو چکے ہیں، مگر جاگنا ہوگا، بیدار ہونا ہوگا، امہ کو ہوش کے ناخن لینا ہوں گے! اپنی اصل، اپنے ماضی، اپنے روشن اور تابناک کردار کی طرف پلٹنا ہوگا، اپنے آپ کو فاروق اعظم کی فکر کا وارث، عمر بن عبدالعزیز کے کردار کا امین، صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم کا جانشین ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا ہوگا۔ اگر ۲۰ کے قریب مسلم ممالک یکجا ہو کر اسرائیل کی طرف منہ کر کے پھونک مار دیں تو وہ اپنا وجود کھو دے گا۔ مسلمانو! ہمیں ہر حال میں قبلہ اول کو بچانا ہے، اس کی طرف اٹھنے والی میلی آنکھ کو پھوڑنا ہے، اس کی طرف بڑھنے والے ناپاک ہاتھوں کو توڑنا ہے۔ اس کی طرف اٹھنے والے خبیث قدموں کو روکنا ہے۔ قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔

قران کریم اور فرمان مصطفی ﷺ ہمارے سارے دکھوں کا مداوا ہے، اور ہماری تمام پریشانیوں کا حل اور سب بیماریوں کا علاج ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ

"اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو" (سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۹۰)

آج جب کفار مسلمانان غزہ پر ظلم و ستم کر رہے ہیں تو تمام آمت مسلمہ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھ رہی ہے حلانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ ظلم کے آگے آٹھ کھڑے ہوتے اور انما المومنون اخوۃ پر عمل کرتے ہوے ایک جسم ہونا کا ثبوت دیتے مگر ہر ایک خواب غفلت میں سویا ہوا ہے۔ بہ قول اقبال

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں

تو ہندوستان کا ہر پیر وجواں بیتاب ہو جائے

حدیث شریف میں ہے : ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں" تو ایک کہنے والے نے کہا : کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "نہیں، بل کہ تم اس وقت بہت ہو گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہو گے، اللہ تعالیٰ تمھارے دشمن کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا، اور تمھارے دلوں میں «وہن» ڈال دے گا" تو ایک کہنے والے نے کہا : اللہ کے رسول! «وہن» کیا چیز ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے"۔ (سنن ابی داوُد ۴۲۹۷)

عن أبي أمامة الباهلي عن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال لينقضن عرا الإسلام عروة عروة فكلما انتقضت عروة تشبث الناس بالتي تليها وأولهن نقضا الحكم وأخرهن الصلاة (مسند احمد ۲۲۱۶۰)

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اسلام کی سب کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹے گی، جب بھی اس کی ایک کڑی ٹوٹے گی، لوگ اس کے بعد والی کڑی سے چمٹنے لگیں گے، اس کی جو سب سے پہلے کڑی ٹوٹے گی وہ اسلام کا نظام حکومت وعدالت ہوگا اور آخر میں ٹوٹنے والی کڑی نماز ہوگی۔ حیف صد حیف ہم اپنا نظام حکومت نہ بچا سکے اور اگر بچا لیتے تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔ دنیا میں وسائل یا صلاحیتوں کے اعتبار سے اللہ رب العزت نے اُمت مسلمہ کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ اس کے باوجود ہر طرف سیاسی و معاشی پستی نظر آتی ہے۔ نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن (نیٹو) میں ۳۲ ممالک ہیں، کسی ایک پر حملہ تمام کی تمام نیٹو پر حملہ تصور کیا جاتا ہے مگر ۵۷ اسلامی ممالک مل کر بھی نہ تو ایسی جماعت تشکیل کرپائے اور نہ اسرائیل کے ظلم و ستم سے مظلوم فلسطینوں کو نہیں بچا پارہے۔ بچانا تو دور کی بات ہے اسلامی ممالک ایک ایک کرکے اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کر رہے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ کہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی مملکت خداداد پاکستان کے ارباب اختیار حکمران اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی تجاویز آئے روز پیش کرتے رہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے گایوں بیلوں کے دم تھام لوگے، کھیتی باڑی میں مست و مگن رہنے لگو گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا، جس سے تم اس وقت تک نجات و چھٹکارا نہ پا سکو گے جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے ہیں۔ (سنن ابی داوُد ۳٤٦٢)

آج ہمیں ظلمت و رسوائی کا سامنا ہے مگر آج بھی ہم اپنا وقار بحال کرسکتے ہیں اگر قرآن و حدیث پر عمل کرنا شروع کردیں۔ دعا گو ہوں کہ مالک کریم امت مسلہ کو عروج عطا فرمائے۔

اشک بہانے سے کٹی ہے شبِ ہجراں! کب

کب! کوئی بلا صرف دعاؤں سے ٹلی ہے

دل کَشی

شہیر علی

ماٹی کے تم دیورے جو سنو ہماری بات

آج ملاورا پیا کا ہے، تم جگیو ساری رات

عشق کے سات درجے ہیں۔ جو شروع تو دل کشی سے ہوتے ہیں، لیکن ختم موت پر ہوتے ہیں۔ ہم اپنی بات دل کشی سے ہی شروع کرتے ہیں۔ دل کشی کی بھی مختلف تعریفیں ہیں اور میں یہاں لغوی معنی کی بات نہیں کررہا۔ دل کشی ایک بہت ذاتی چیز ہے۔ جو چیز مجھے دل کش لگے کیا معلوم وہ کسی اور کے دل کو اچھی نہ لگے۔ لیکن جس منزل کے لیے ہم بات کررہے ہیں۔ اس کا آغاز ہر ایک کے لیے مختلف ہوتا ہے، لیکن انتہا سب کی ایک ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خیال نہ جانے کہا سے تمھارے ذہن میں آجائے اور وہ تم کو سوچنے پر مجبور کردے کہ ہاں یہ بھی کوئی چیز ہے۔ اس خیال کے بعد تم اس پر سوچنا شروع کردیتے ہو۔ تم اس خیال کی آمد پر اتنے ہی حیران ہوتے ہو جتنا تم اس کو سوچ سوچ کر حیران ہوتے ہیں۔ اسی کشمکش میں وہ خیال تمھارے دماغ سے سفر کرتا تمھارے دل تک آپہنچتا ہے۔ اس کے بعد صاحب خیال پر یہ عُقدہ کشائی ہوتی ہے یہ خیال آیا نہیں بل کہ پہلے سے ہی یہاں موجود تھا، بس تمھیں اب معلوم ہوا ہے۔

اس طرح نہ چاہتے ہوئے بھی تمھارا دل اس خیال کی طرف کھچنا شروع ہوجاتا ہے اور یہاں سے تمھارے عشق کا آغاز ہوجاتا ہے۔ تم اس دل کشی کے سحر میں ہوتے ہو۔ تمھارا دل اس طرف لگ جاتا ہے،، جس کا تمھیں آج سے پہلے کبھی معلوم نہ تھا۔ اور تم پھر ایک غیر یقینی کی کیفیت میں ہوتے ہو کہ میں ہی کیوں؟ میں تو کچھ نہیں جانتا تھا کیا کچھ غلط ہوگیا؟ کیا کسی اور کے حصے کی دستک میرے دل ہوگئی؟ تم ہر ممکن کوشش کرکہ اس خیال سے آزاد ہونا چاہتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے خیال میں رہنا چاہتے ہو۔

اس فکر سے بھری دل کی کیفیت کو دل کشی کہتے ہیں۔ ایک چیز تم کو اتنی عزیز ہوجاتی ہے کہ تم اس کو محسوس کرنا شروع کردیتے ہو۔ اس چیز کو محسوس ہی کیا جاسکتا ہے کیوں کہ حاصل کرنا ابھی تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس نے تم کو منتخب کیا اور وہ خود ہی وصل بھی نصیب کرے گا۔ تم بس یک سوئی سے اس کو یاد کرتے رہو۔

بات ہی ساری اس یک سوئی کی ہے۔ اگر تم اچھے نکلے تو چل پڑو گے، اگر کھوٹے بھی ہوئے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اس بازار میں اکثر کھوٹے سکے ہی چلتے ہیں۔ جب تم اس پُر اثر احساس سے نکلو گے تو محبوب اور محب کے دائرے میں داخل ہوجاؤ گے۔ لیکن ابھی تم کو کچھ نہیں معلوم تم بس اس کے خیال میں ہی خوش ہو۔

منم محو خیال اُو، نمی دانم کجا رفتم

دل کشی کے احساس سے تم اُن اُن احساسات سے واقف ہوجاتے ہو، جن کا کبھی تم کو علم بھی نہیں تھا۔ دل کشی بھی عجیب سی کیفیت ہے کہ تمھارا دل کرے گا میں بس اس کے پاس بیٹھا رہوں۔ اس کے ساتھ ہی تم کو شاکرین کی صف میں جگہ مل جائے گی۔ اللہ کا شکر ادا کرو گے کہ مجھے اس نے اس احساس سے تو آشنا کیا۔ شکر، تعجب اور اس دل کے کچھاؤ کے ساتھ تم اپنے سفر کا آغاز کرو گے۔ آگے جو ہوگا وہ کسی کو نہیں معلوم۔ تم جانو گے یا وہ جن کا خیال تمھارا اہم خیال ہے۔

یہ بھی ایک حسن اتفاق ہوتا ہے کہ تم کو چُنا جائے، تم اس انتخاب کا مقام اس دن دیکھو گے، جس دن تم دوسروں کو اس چیز کے لیے محنت کرتا دیکھو گے اور جو تم کو بیٹھے بیٹھائے مل گئی ہے۔ اس مقام پر شکر میں رہنا اور ناشکری سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اب اس مقام کے بعد بات آئے گی آداب کی یہ وہ آلہ ہے۔ جس کے ذریعے تم اس سفر کو پار کرو گے۔ شیخ نے مجھے بتایا تھا کہ ہر چیز کے آداب ہوتے ہیں، جس طرح بات کرنے کے آداب، کھانے کے آداب، بالکل اُسی طرح چاہنے اور چاہے جانے کے بھی آداب ہوتے ہیں۔ اگر تم کسی کو یک سوئی اور صدق سے نہ چاہ پاؤ تو کیا فائدہ؟

آج میں ایک ایسی جگہ پر ہوں جہاں آج سے پہلے کئی لوگ تھے، اور آج کے بعد بھی کئی لوگ آئیں گے۔ میں

ان سب میں کسی کے خیال کی وجہ سے آیا ہوں۔ یہاں اگر ہم غور کریں ہم جانیں گے کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ ہم نہ اپنا خیال کسی کے دل میں دلا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کا خیال اپنے دل سے نکال سکتے ہیں۔ یہ وہ ہے جو اس کشتی کو چلا رہا ہے۔ جب تمھیں اس بات کا یقین ہو جائے گا، تب تم سمندر کی موجوں سے ڈرے بغیر اپنی کشتی کو پانی میں اتاروگے اور دل کشی کے برے اعظم کو پار کرنا شروع کردوگے۔

اس سفر میں تم بہت سے نشیب و فراز دیکھوگے۔ تم ہچکولے بھی کھاؤگے۔ کوئی بعید نہیں کے سمندر کے اس کھارے پانی میں غوطے بھی لگ جائیں۔ لیکن یہ سب تو سمندر کے سفر کا حصہ ہیں۔ جن تم اپنی منزل کی طرف گامزن ہو جاؤگے تب کسی چیز سے تمھیں فرق نہیں پڑنے والا۔ تمھیں معلوم ہے یہ دل کشی صرف تمھاری طرف سے نہیں، یہ اُدھر سے بھی ہے، تو کیا ہی کہنے۔ اگر اُدھر سے نہ بھی ہو تو کیا ہے؟ ہم چاہنے والوں میں سے ہیں اور وہ چیز ہی ایسی ہے جس کو چاہا جائے، سوچا جائے، محسوس کیا جائے۔

سفر تو ہر کوئی کرتا ہے لیکن سفر کا لطف تو وہ ہی لیتے ہیں، جن کو منزل کی چاہ ہی بہت ہوتی ہے۔ اس سفر کے آخر پر اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ اس دل کشی کے بَرے اعظم سے نکل گئے ہیں۔ اب اُنس کے بَرے اعظم پر پہنچنے والے ہیں۔ اگلی منزل اس سے بھی حَسین ہے، لیکن سفر تو اس خیال سے ہوا ہے نا جو ایک دن لیٹے لیٹے تمھارے دل میں آگیا تھا۔ تم اس وقت جان نہ پائے کہ تم نے تو دل کشی کا بہت سا سفر طے کرلیا ہے، یہ کشش مقناطیسی ہے جو تم کو اس کے قریب کھینچتی ہے۔

تبصرہ بر حیات نامہ

محمد یاسر مشتاق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اسلام، تصوف اور صوفیاء کرام کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ "ہر روز کثرت سے فرنگی مسلمان ہو رہے ہیں، انگلستان، فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، بلجیم، ڈنمارک، شمالی و جنوبی امریکہ کوئی ملک اس سے مستثنیٰ نہیں میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے پتہ چلایا کہ ننانوے فیصد حصہ تصوف اور صوفیاء کی تعلیم کے باعث اسلام قبول کر رہا ہے۔ عقل پرستوں کی لایعنی تفسیروں اور تحریروں کے باعث نہیں، صوفیاء کی چیزیں اب آہستہ آہستہ فرنگی زبانوں میں ترجمہ و تالیف ہو رہی ہیں۔ میں خود عقلیت کا دلدادہ تھا یہاں آکر ہار ماننی پڑی اسلام دل کے راستے سے ہی پھیل سکتا ہے دل کی زبان میں جو تاثیر ہے، جو سحر ہے، وہ کسی اور چیز میں نہیں ہم جس مغرب کی نقالی کرنا چاہتے ہیں وہ خود اپنے سے بیزار ہو گیا ہے"۔ (ڈاکٹر حمید اللہ کا علمی ورثہ)

سلسلہ عالیہ چشتیہ کا جو اولین مرکز ہند اجمیر شریف میں قائم ہوا اسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ نے قائم کیا۔ آپ کے بعد شیخ فرید الدین رحمہ اللہ اور ان کے بعد سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ نے سلسلہ چشتیہ کی ترویج و اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا۔

صدیوں بعد تونسہ میں خواجہ سلیمان تونسوی رحمہ اللہ نے چشتی مرکز کی بنیاد رکھی جس کی کامیابی کا سہرا خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمہ اللہ کے سر جاتا ہے. خواجہ سلیمان تونسوی سے قبل سلسلہ چشتیہ عرب دنیا میں متعارف ہو چکا تھا۔ چشتیوں میں جو شہرت نظامی سلسلے نے حاصل کی سلیمانی سلسلہ کو بھی کچھ ایسا ہی شہرہ حاصل رہا۔

صدیوں سے بزرگانِ دین کے احوال و ملفوظات پر مختلف جہات میں تحقیقی، تصنیفی اور تالیفی خدمات سر انجام دی جا رہی ہیں۔ اگر ہم صرف برصغیر میں ہی صوفیاء کرام سے متعلق منظر عام پر آنے والے لٹریچر کو ہی دیکھیں تو اس حوالے سے ہونے والے کام سے مستقل لائبریری وجود میں آ سکتی ہے۔ صوفیاء کرام اور بزرگانِ دین کے افکار و احوال اور تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے صوفیاء کرام کے چاہنے والوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں اس کام میں صرف کر دیں۔

حیات نامہ ایک ایسے بزرگ کے احوال و ارشادات کا مجموعہ ہے، جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کی صلبی اولاد اور خواجہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ کے روحانی پسر ہیں، یعنی حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری رحمہ اللہ. اس خوبصورت گلدستے کو ترتیب دینے کا سہرا محترم شہروز احمد نظامی کے سر ہے. یہ کتاب کُتب خانہ ابنِ رفیق سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کو کن حالات میں مرتب کیا گیا اور دوران ترتیب کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، شہروز صاحب نے ابتدائیہ میں بیان کیا ہے. شہروز صاحب لکھتے ہیں کہ بہت سے ماخذات باباجی کے خلفاء کے مسائل کی نذر ہو گئے. لیکن اس کے باوجود انھوں نے ہمت نہ ہاری اور ایک طویل جدوجہد کے بعد یہ مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ الحمدللہ

کتاب پر اہلِ علم حضرات کی آراء اور تبصرے

محمد منشا خان صاحب کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صالحین ایسے مبارک نفوس ہیں جنہیں خدا تعالیٰ اپنے قرب اور خدمت خلق کے لیے انتخاب فرماتا ہے۔ صوفیا کرام اپنی خلوتوں اور جلوتوں کو خدا تعالیٰ کے احکامات کے مطابق روشن رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی کا کوئی پہلو حکمت و دانش سے خالی نہیں ہوتا۔ بھرپور جذبۂ شوق و ذوق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ ایسے مبارک نفوس اپنی حیات اور قلوب کی حیات قرب میں ہی پاتے ہیں اور اپنے ساتھ وابستہ لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کا احساس دلاتے ہیں۔ شیخ ابو بکر الاصم فرماتے ہیں:

اولیاء اللہ وہ ہیں جن کی ہدایت کا دلیل سے اللہ ضامن ہے اور اللہ کی عبادت اور اس کی دعوت کے وہ ضامن ہیں۔ جب بندہ ان صفات پر کاربند ہوتا ہے، ولی اللہ ہوتا ہے اور جب بندہ ولی اللہ ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا ولی ہوتا ہے اور یہی ہونا چاہیے، اس لیے کہ لان القرب لا یحصل الامن الجانبین: قرب دونوں طرف سے ہوتا ہے۔

حیات نامہ کے نام سے مرتب کی گئی کتاب جو کہ حضرت سید عثمان علی شاہ چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و ارشادات کا اولین اور خوب صورت مجموعہ ہے۔ کتاب کو کئی مقامات سے دیکھا اور پڑھا، کیا ہی عمدہ قوت القلوب (قلوب کی غذا) ہے۔ شہروز احمد نظامی صاحب نے بڑے شوق و محبت اور عرق ریزی سے تذکرہ مرتب کیا۔ مستند تذکرہ

مرتب کرنا یقیناً بڑا ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے لیکن دوہری خوشی اس وقت ہوتی ہے جب اہل خانقاہ اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ صاحب مرتب خود اسی خانقاہ سے وابستہ ہیں اس لیے وہ مبارک کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بانی خانقاہ شیخ کا تذکرہ عوام و خواص تک پہنچانے کے لیے اپنا حق ادا کیا۔

زیبا نظامی صاحبہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ برصغیر میں اشاعت اسلام کے حوالے سے صوفیاء کی خدماتِ تبلیغ کا ہر کوئی اپنا بیگانہ معترف ہے۔ خواہ کوئی ان سے باقاعدہ نسبت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو مگر پاک بازوں کا گواہ ہر دور کا علمی طبقہ رہا ہے۔ ایسے میں اس لشکرِ خداوندی یعنی صوفیاء صافیہ کے مابین مشائخ چشت بہشت کی مساعی جلیلہ کا تذکرہ خواجہ اجمیر سے لے کر خواجہ سلیمان تونسوی تک ایک الگ تاریخی روحانی نصاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ مشائخ چشت کی اس واردات روحانی میں کوئی شک نہیں ہے کہ انھوں نے جامِ توحید، سالکینِ رشد و ہدایت کو اپنے پاکیزہ اخلاق و کردار کے ساتھ ذوق سماع کی مستی میں ڈبو کر پلایا۔ محبت خداوندی کا یہ تیر عشق و مستی، سوز ہجر و وصال کی کمان سے نکلا اور خالص قلوب کو چیرتا، اپنی جگہ بناتا، شکار کرتا چلا گیا۔ حضرت بابا جی لعل شاہ چشتی اجمیری سے میری نسبت و محبت اور وابستگی کا بہ ظاہر وسیلہ ایک طرف تو سر تاج مکرم فاران الرحمان نظامی ہیں مگر اصل میں اس توفیق محبت کا روحانی محرک حدیث مبارکہ کے وہ مبارک پر نور الفاظ ہیں جن کے مصداق "مردان خدا کی محبت بہ توفیق و بامر الہی، بذریعہ ملائکہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ بابا جی کی یاد میرے لیے محبت و اخلاص کا وہ پر بہار جھونکا ہے، جو بغیر کسی ظاہری خانقاہی رسم و ربط کے ہی دل کو فرحت کا وہ سامان بخشتا ہے کہ کلر سیداں سے ٹوبہ ٹیک سنگھ تک کے فاصلے پاسِ حیا میں اپنے آپ سمٹتے چلے جاتے ہیں۔

بابا جی کے واقعات احوال پڑھنے کے دوران مجھے اس احساس نے اپنے سحر میں مبتلا رکھا کہ گویا مجھے بابا جی کی طویل روحانی صحبت و سنگت میں وقت گزاری کے بعد یہ سب پڑھنے کو مل رہا ہے، یہ احساس اس اپنائیت کا استعارہ ہے جس میں تعلق روحانی جیسا مخلص جذبہ شامل ہوتا ہے۔ "حیات نامہ" کا لفظ لفظ میرے دل پر بابا جی کی مبارک شخصیت کی مناسبت سے مثل گہر نقش ہوتا چلا گیا اور اب بابا جی کے احوال و مناقب، سیرت و کردار کے واقعات نورانی روحانی

جامہ الفاظ میں ملبوس عملی تربیت خانقاہ کی داستان لیے حیات نامہ کی شکل میں تسکین قلب اور نور چشم بنے ہوئے ہیں۔

بھائی شہروز احمد نظامی نے "حیات نامہ" کی ترتیب و تدوین کی شکل میں جو روحانی امانت وابستگانِ سلسلہ تک پہنچائی ہے، میں اس پر انھیں صرف مبارکباد کا اہل ہی نہیں سمجھتی ہوں بل کہ ان کی اس کاوش کو ان کی روحانی ذمہ داری کے عین مطابق جانتی ہوں۔ رب تعالیٰ ان کی اس کوشش کو درجہ اجابت پر فائز فرمائے۔ ان کی تخلیقی، تحقیقی، تصنیفی و تالیفی صلاحیتوں کو چار چاند لگائے اور حیات نامہ جیسی مزید بے لوث اور روحانی تالیفی خدمات کا اجر بغیر کسی طلب وجاہ دنیوی کے بزرگان سلسلہ کو پہنچ کر، خانقاہ مقدسہ کے مزاج علمی کی نمائندگی کرتے ہوئے جملہ وابستگانِ سلسلہ و سالکینِ طریقت کے لئے غذائے روح بنتا رہے۔

حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری کا شخصی تعارف

آپ کا نسب : آپ کا نسب خواجہ فخر الدین چشتی سے شیخ معین الدین چشتی اجمیری تک اور ان سے سیدنا امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا ہے آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ کا سنِ پیدائش : مولانا عبد الشکور سلیمانی کے مطابق ۱۸۸۸ء، ایم ایچ صابر کے مطابق ۱۹۱۰ء

آپ کا سنِ وفات : آپ کا سنِ وفات ۱۹۹۵ء ہے۔

آپ کی اولاد : آپ کے ہاں پہلے بیٹے کی ولادت ۱۹۲۲ء کے بعد ہوئی۔ آپ کے وہ فرزند اسی روز واصل بہ حق ہو گئے۔ پھر ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی، وہ بھی تین روز کے بعد واصل بہ حق ہو گئی۔ ۱۹۲۵ء میں آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام آپ نے سید انور علی شاہ رکھا۔ ان کا وصال ۱۹۷۰ء سے قبل ہوا۔ آپ کے ہاں ایک ہی فرزند پیدا ہوا۔ جن کا اسم گرامی سید اکبر شاہ تھا۔ باباجی کو جب اپنے بیٹے کی خبر رحلت ملی تو اس کے بعد کثرت گریہ کے سبب آپ کی بینائی متاثر ہوئی۔ کسی نے آپ سے عرض کی اب سنت یعقوبی کو ترک فرما دیں۔ آپ نے فرمایا میں سنت یعقوبی نہیں

سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ادا کر رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشک حضرت یعقوب علیہ السلام کے تمام عمر کے اشکوں سے بہتر اور افضل ہے، مگر مسکین تو ہر نبی کی خاکِ راہ ہے۔

پیشہ : آپ کے والد صاحب نے دیگر حضرات کی طرح نسب ہی کو اپنی روزی کا ذریعہ نہیں بنایا، بل کہ آپ کے والد صاحب زرگر تھے۔ آپ کے ہاں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ آپ کے والد صاحب کی ایک بہت بڑی جاگیر تھی۔ آپ کے حصے میں جو مکان آیا، اس کے نوے کمرے تھے۔ رایج ثمن بلد کے علاوہ بابا جی کو ان کے والد صاحب کی طرف سے ترکے میں تین ہزار سونے کے سکے، چھے باغات اور سو ایکڑ سے زیادہ زمین ملی تھی۔

بیعت و خلافت : آپ کی بیعت حضرت خواجہ حامد تونسوی سے تھی۔ سلاسل اربعہ میں آپ کو اپنے شیخ سے اجازت تھی۔

حضرت سید لعل شاہ چشتی کا جمالیاتی ذوق

کھیتوں اور باغیچوں سے محبت : آپ کو شجر کاری سے بے حد لگاؤ تھا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے ویران و بنجر زمینوں کو آباد کیا۔ انھیں قابل کاشت بنایا۔ یہاں درخت لگائے پانی کے لیے خود نالیاں بنائیں۔ آپ پودوں کی خود دیکھ بھال کرتے۔ آج بھی آپ کے ہاتھوں کی لگی ہوئی کلیاں اس گلشن میں مہک رہی ہیں۔ آپ کے دست مبارک سے لگے پیپل اور بوہڑ کے ہرے بھرے شجر، تادم تحریر موجود ہیں۔

آپ کے مکتوبات : آپ اپنے ایک مکتوب بنام مولوی نور اللہ چشتی میں لکھتے ہیں کہ آپ کا خط ملا دعا گو ہوں۔ اللہ نبی خیر فرمائیں گے۔ تعویذ آپ لکھ کر دے دیا کریں کوئی ایسا مسئلہ نہیں۔ باقی سورۃ فاتحہ جملہ معاملات میں اکسیر ہے۔ آپ وہی پڑھ کر دیں اور وہی بصورت تعویذ دیں. کامل یقین ذات حق پر ہی رکھیں۔ یہ بات دل پر نقش کر لیں۔ وہ صوفی ہی نہیں جس کی توحید کامل واکمل نہیں۔ وہ شیخ نہیں جو بحرِ توحید میں غوطہ زن نہ ہو۔ وہ بتدی نہیں جو شیخ کے قرب کو پانے کی کوشش نہ کرے۔ اللہ کی امان میں۔

آپ کے چند ملفوظات : حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری سے آپ کے ایک مرید نے سوال کیا کہ قلب کا جاری ہونا کیا ہے ۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ تم سنت کو پکڑلو اور بدعات کو چھوڑ دو۔ قلب جب بھی جاری ہو بس یہ ہی دعا کرو کہ مدینے والے کی راہ میں جاری ہو۔ جس کا قلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں جاری ہوگیا اسے اور کیا چاہیے. باقی پھونکوں، تھپڑوں سے کسی کا قلب جاری نہیں ہوتا.

مومن و کافر میں فرق / دنیا دار و درویش میں فرق

آپ نے فرمایا مومن اور کافر میں فرق نماز کرتی ہے ۔ جب کہ درویش اور دنیا دار میں فرق بے نیازی کرتی ہے ۔ سخی و بخیل میں فرق سخاوت کرتی ہے ۔

حال اور قال میں فرق وہ نگاہ کرتی ہے۔

جس نے اسے دیکھ رکھا ہو، جس نے اسے دیکھ لیا جو بے صورت ہے ، مگر وہ بڑا خوب صورت ہے ۔ اس طرح اس کا کلام بھی بہت خوب صورت ہے ۔

حضرت سید لعل شاہ چشتی کی سماجی خدمات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ (زیر کفالت) ہے ، اور مخلوق میں سے وہ شخص اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جو اس کے کنبہ سے اچھا سلوک کرتا ہے ۔

اگر ہم صوفیاء کرام کی زندگیوں پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ان کی سیرت میں جو چیزیں مشترک دیکھائی دیتی ہیں ان میں سے ایک چیز ان کا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مخصوص رویہ ہے ۔ چونکہ صوفیاء کرام کے دل چشموں میں بہنے والے پانی کی طرح صاف و شفاف ہوتے ہیں ۔ عام لوگوں کی طرح ان کے دل بغض ، کینہ ، عداوت ، حسد، حب جاہ اور ان جیسے دیگر روحانی امراض سے پاک ہوتے ہیں اس لیے ان کے دل و دماغ ہمدردی و خیر خواہی امت کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں ۔ ان سے وابستہ ہونے والا کوئی بھی وجود ان کے فیض ، ان کے لطف و عنایت و سخاوت سے محروم نہیں رہتا۔

حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری بھی اسی مبارک گروہ صوفیاء کے فرد تھے۔ آپ کی سماجی خدمات کے چند پہلو حسب ذیل ہیں۔

نکاح کا اہتمام : آپ یتیم و مسکین لڑکیوں کے نکاح کا اہتمام فرماتے، ان کے لیے اچھے رشتے تلاش کرتے، جہیز کھانا اور زیور سب چیزوں کا اہتمام فرماتے، زیور کی بہت سی رسیدیں کُتب خانے میں محفوظ ہیں. چار پانچ تولے سونے سے کم کسی لڑکی کو نہ دیتے۔ جس مرید کی بیٹی بالغ ہوئی اور نکاح کے قابل ہوجاتی، آپ نہ تو اس مرید کے گھر جاتے اور نہ اس کی نذر قبول فرماتے. آپ فرماتے بس اس کا نکاح کردو، سب مراحل (ایک جگہ فرماتے ہیں، دور جدید اس قدر ظلم کر رہا ہے، ہر شیر خوار بچی کو بالغ اور ہر بالغ کو پاگل کر رہا ہے، بالغ کی نفسانی خواہش کا پورا نہ ہونا تعلیمی و فکری سرگرمیوں میں رکاوٹ بنتا ہے، صوفی کے ہاں اس کا ضابطہ کچھ اور ہے، ہمارے لیے سب سے مقدم معاشرے کا فائدہ ہے اور معاشرے کا فائدہ اسلام میں ہے، زنا سے محفوظ اولاد والدین کے لیے توشۂ آخرت ہوتی، نکاح کو آسان بنانا ہم سب پر اس دور میں فرض ہے) اپنے شوہر کے ہاں جا کر مکمل کرلے گی۔ آپ نے زبان مبارک سے کبھی نہیں فرمایا کہ فلاں کی شادی ہم نے کروائی، بس یہ فرماتے اللہ نے اپنے فلاں مقبول بندے کی نوکری پر مجھے لگایا ہے۔

حوض و حمام : اہل دیہات کی سہولت کے لیے آپ نے پانی کا حوض بنایا. باباجی خود اس حوض میں پانی بھرتے ایک ڈنڈے کے ساتھ دو ٹین باندھ لیتے ایک دائیں اور دوسرا بائیں کندھے پر ہوتا اور دو تین کلومیٹر دور سے پانی بھر کے لاتے۔ اس حوض کے ساتھ آپ نے حمام بنوائے تاکہ آنے والوں اور اہل دیہات کو کسی قسم کی مشکل نہ ہو، آپ نے اہل دیہات کے لیے ہر وہ آسانی پیدا کی جو ممکن تھی۔

روڈ پر پانی کا اہتمام : دربار کے سامنے جی ٹی روڈ پر آپ نے مسافروں کے لیے پانی کا اہتمام فرمایا۔ بڑے بڑے گھڑے پانی سے بھر کر مسافروں کے لیے سڑک کے کنارے پر رکھ دئیے جاتے جن سے راہ گیر پانی پی کر اپنی پیاس بجھاتے۔

سرائے کا قیام : باباجی نے مسافروں کے لیے الگ سے رہائش گاہ کا انتظام کیا تھا۔ مریدین سے بہتر ان کی رہائش و خدمت ہوتی. دن ہو یا رات ہر لحظہ مسافروں کے لیے کھانا اور رہائش موجود ہوتی۔ مخصوص ایام میں مریدین وہ بستر و

کمرے استعمال کرتے آپ نے دو سو سے زائد سردیوں اور گرمیوں کے بستر بنوائے۔ چار بڑے حال نما کمرے اور ایک برآمدہ فقط مسافروں اور مریدین کے لیے بنوایا۔

لنگر خانہ : آپ سب سے زیادہ توجہ لنگر خانے پر دیتے۔ آپ اپنے ہاتھوں سے مسافروں و عقیدت مندوں کے لیے روٹی بناتے. آپ فرمایا کرتے بیٹا سب سے افضل ترین عبادت یہ ہے کہ تم کسی بھوکے کا پیٹ بھر دو۔ لنگر کے لیے جانور خود پالتے یوم عاشورہ کا لنگر بذات خود تیار کرتے۔ ربیع الاول کا لنگر ہو یا عرس کا آپ سب کی بذات خود نگرانی فرماتے. آپ کے لیے ہر خاص و عام یکساں ہوتا تھا۔

حضرت سید لعل شاہ چشتی کی ملی خدمات

تحریک آزادی میں کردار : آپ نے تحریک آزادی میں باقاعدہ حصہ ۱۹۳۹ء کے بعد لیا۔ خواجہ نظام الدین تونسوی کے حکم پر مجاہدات کو ترک کیا اور جدوجہد آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا. آپ نے اس دوران وابستگان کے نام جو خطوط لکھے، ان میں سے تین خط کتب خانہ ابنِ رفیق میں موجود ہیں۔ ایک خط میں آپ لکھتے ہیں، "اکثر جاگیر دار، علماء اور پیر دن کی روشنی میں تو مسلم لیگ کا ساتھ دیتے ہیں، رات کو برطانیہ کے نوکروں سے وفاداری کی قسمیں کھاتے ہیں، ہم ان دنوں لائل پور (فیصل آباد) کے ایک قصبے میں ہیں، وہاں پیر صاحب کی بہت شہرت ہے، مگر وہ برطانیہ کے وفادار ہیں"۔

قرارداد پاکستان : آپ نے قرارداد پاکستان کے جلسے میں اپنے محبین اور مریدین کے ہمراہ شرکت فرمائی۔ چنانچہ آپ کے ساتھ اس عظیم تاریخی جلسہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد پندرہ سو سے زائد تھی۔

۴۶/۱۹۴۵ کے انتخابات : خواجہ نظام الدین تونسوی نے دوسری بار حکم فرمایا کہ "اب آخری وقت آن پڑا ہے، کوشش کرو اللہ پاک ہماری اس سعی کو قبول فرمالے، آپ کے لیے وہی حکم ہے جو اس سے پہلے تھا"۔ اس دوران آپ نے پاکپتن، جھنگ، فیصل آباد اور وسطی پنجاب کے دور اُفتادہ دیہاتوں اور مختلف اداروں کا دورہ کیا۔ حصول مملکت کے لیے الیکشن میں کامیابی کو ناگزیر قرار دیا۔ آپ فارسی اور اردو میں بات کرتے تھے۔ اس لیے چند پنجابی

مریدین ساتھ ضرور رکھتے تاکہ اپنا پیغام اہل پنجاب تک پہنچا سکیں۔ مسلم لیگ کو اگرچہ اس قدر کامیابی یہاں سے نہ مل سکی مگر اتنا ہوا کہ الگ وطن کی اہمیت اجاگر ہو گئی۔

قیام پاکستان کے وقت مہاجرین کی دادرسی : مہاجرین کے کھانے، رہائش اور دیگر ضروریات کا آپ نے بندوبست فرمایا۔ حکومتی کیمپوں میں اتنی گنجایش نہیں تھی کہ سب کو رہائش و کھانا دے سکیں۔ تقسیم کے بعد آنے والے مہاجرین کی آپ نے خوب دادرسی فرمائی۔ منشی صاحب لکھتے ہیں جن مہاجرین کو کیمپوں کا علم نہیں تھا، ان کی مشکلات بہت زیادہ تھیں۔ باباجی سرکار نے اپنے مریدین کے ساتھ عارضی لنگر خانے اور شامیانے لگائے، ہر آنے والے کی حسبِ توفیق خدمت کی جاتی۔ دو مرتبہ ہمارے کیمپ پر حملہ ہوا، اس حملے میں ایک پیر بھائی شہید ہوا، چند زخم باباجی کو آئے مگر درویش کا حوصلہ بلند رہا۔ باباجی نے دو ماہ گزارے حالات معمول پر آ گئے کیمپ سمیٹ دیا گیا۔ اس دوران بہت لڑکے لڑکیاں جن کے خاندان والے قتل ہو چکے تھے، آپ نے ان کے نکاح کروائے، ان کے لیے رہائش کا بندوبست فرمایا، ایسی عورتیں جن کے خاندان والے قتل ہو گئے ان کو نئے جوڑوں کے ساتھ ماں کا درجہ دے کر گھروں کی رونق بحال کی۔ ایک مرتبہ کسی مسافر نے عرض کی جناب آپ کیا کوئی رئیس ہیں جو اس قدر ہماری معاونت فرما رہے ہیں؟ آپ مسکرائے اور فرمایا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ سب معاملات خود بخود رواں ہیں۔ آپ نے رنگ، نسل اور مذہب کی تفریق کے بغیر جملہ مہاجرین کی خدمت کی۔ آپ فرمایا کرتے تھے، میں نے جو کیا اللہ کی محبت میں کیا، میرا اجر میرے مالک کے حضور محفوظ ہے، مجھے اس کی جناب سے جب بے حساب ملتا ہے تو اس کا سبب خلقِ خدا کی خدمت ہوتی ہے۔ عبادات سے افضل بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔

١٩٦٥ء کے انتخابات میں آمر کی مخالفت : جنرل ایوب خان کا اقدار پر ناجائز قبضہ ملکی سالمیت پر ایک ضرب کاری تھی۔ مملکت خداداد میں ایسے ناسور آج تک موجود ہیں، جن کی ظاہری وفاداری تو سبحان اللہ مگر پسِ پشت ان پر لعنۃ اللہ۔ انتخابات کے سلسلہ میں جنرل ایوب کا ایک کارندہ آپ کے پاس آیا اور اس خواہش کا اظہار کیا، آپ فاطمہ جناح کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔ آپ نے انکار فرما دیا اس کارندے کو جنرل کا خط بھی واپس کر دیا ساتھ جوابی مکتوب میں اسے فرعون کے لفظ سے مخاطب فرمایا. آپ کی پشت پناہی مادر ملت کو حاصل رہی۔

چنانچہ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے نمایاں برتری فاطمہ جناح کے حصے میں آئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے میں نے ایک ناجائز حکمران کے خلاف فاطمہ جناح کی حمایت کی ورنہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں. تحریک ختم نبوت ہو یا کوئی ملی مسئلہ آپ نے حق کا ساتھ دیا، آپ وطن سے محبت کو ایمان کا حصہ سمجھتے، آپ نے فرمایا اسلام کے مقابلے میں وطنیت کا حامی نہیں، ہمارا دین وہاں تک ہے جہاں تک مسلمان ہیں.

آپ کی تصنیفی خدمات : اس کتاب میں حضرت سید لعل شاہ چشتی کی ٢٥ تصانیف کی فہرست مختصر تعارف کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ جن میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں

(١) تفسیر سورۃ فاتحہ / غیر مطبوعہ نادرالوجود (٢) مشکوۃ الحدیث / غیر مطبوعہ (٣) سیرتِ رسول / غیر مطبوعہ (٤) شرح ریاض الصالحین / غیر مطبوعہ (٥) شرح فتوحاتِ مکیہ / غیر مطبوعہ نادر الوجود (٦) مجمع العلوم شرح مثنوی مولانا روم / نادرالوجود (٧) حاشیہ فوایدالفوائد / غیر مطبوعہ نادرالوجود (٨) ترجمہ انیس الارواح / مطبوعہ (٩) ترجمہ راحت القلوب / غیر مطبوعہ

حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری کے خلفا

(١) حضرت سائیں بابو علی خان (٢) حضرت خادم حسین چشتی (٣) حضرت محمد رفیق چشتی

حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری کے معاصرین

(١) خواجہ نظام الدین تونسوی (٢) علامہ محمد اقبال لاہوری (٣) حافظ غلام سدید الدین تونسوی (٤) محدث اعظم مولانا سردار احمد صاحب (٥) مولانا عبدالحامد بدایونی (٦) خواجہ قمر الدین سیالوی (٧) مولانا شاہ احمد نورانی

حیات نامہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد رضوان طاہر فریدی صاحب لکھتے ہیں کہ "مولانا شہروز احمد نظامی کا تالیف کردہ حیات نامہ تذکرہ نویسی پر اچھی کاوش ہے۔ کافی عرصے بعد ایک اچھا تذکرہ پڑھنے کو ملا ہے۔ عمومی طور پر ہمارے ہاں مشائخ کے تذکرہ میں کرامات اور عجیب و غریب نکات کا غلبہ ہوتا ہے، جو کسی شخصیت کی زندگی کے عملی پہلوؤں کو چھپا دیتا ہے۔ جب کہ شہروز احمد نظامی نے تذکرہ کو کرامات و عقیدت سے بھرنے کے بجائے حضرت کی شخصیت کے دیگر

پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی خوب کوشش کی ہے۔ ہر روایت کو لینے سے پہلے اس کا مآخذ پرکھا ہے۔ ایک جگہ دو متضاد روایات میں تطبیق بھی دی ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ انکشاف بھی ہوا کہ موصوف نے حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری کی سیرت بیان کرنے والے راویوں کے حالات بھی جمع کر رکھے ہیں۔ راویان حدیث کے حالات جمع کرنا امت کی ضرورت تھی اور امت نے اس کا پورا حق ادا کیا ہے۔ جب کہ علما و مشائخ کی سیرت بیان کرنے والے راویوں کے حالات جمع کرنا تاریخ سے ثابت ضرور ہے، لیکن اس روایت کو قبولیت عامہ حاصل نہیں ہو سکی۔ موصوف نے اس روایت کو بھی زندہ کیا ہے"۔ ہمارے ہاں زیادہ تر کسی مخطوطہ یا قلمی کتاب کی تصحیح و تحقیق کے دوران ہی کتاب کا اشاریہ تیار کیا جاتا ہے، نئی تالیف کردہ کتابوں میں اس پر توجہ نہیں دی جاتی۔ جب کہ شہروز احمد نظامی نے کتاب کا مفصل اشاریہ تیار کر کے خود کو پاکستان کے اُن چند محققین میں شامل کر لیا ہے، جو اس کی اہمیت سے بھی واقف ہیں اور اس کو ضروری بھی سمجھتے ہیں۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہروز احمد نظامی کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین

آیات

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ/ ۲۹

کذبت قوم نوح المرسلین/ ۵۸

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ/۵۸

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ/۵۸

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ /۱۱۳

صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى/۱۱۳

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللهَ عزوجل إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ /۱۰۲

احادیث

انا مع عبدی اذا ھو ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ/۱۰۲

رجال

اماکن

کتابیات

حرفِ حق جہان نظام

۱۴۴۶ ہجری

کتب خانہ ابن رفیق

خانقاہ حضرت سید لعل شاہ چشتی اجمیری /۳۱۸ ج ب- ٹوبہ ٹیک سنگھ